U47872. Date- 23-12-09

Title - MUHAAKMA WILAADAT-E-MASEEH.

Auratar - Sayyed Mumtaz Ali.

Publisher - Maisers Bilaas (Lahore).

Date - N.A.

Pages - 80

Subjects - Eisaiyat; Maseehiyat.

یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ

ای آدمیو ہمنے تمکو مرد اور عورت سے پیدا کیا (سورۂ حجرات)

محاکمہ

ولادت مسیح

کے باب مین

آنریبل سید احمد خان بہادر نجم الہند کی تحریر

اور

مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی شیخ اللاہور کی تردید مین

از

مولوی سید ممتاز علی صاحب دیوبندی

انجمن اخوان الصفا کی طرف سے

مطبع مشتر بلاس لاہور مین مطبوع ہوا

ولادت مسیح

تمہید

دنیا کی تواریخ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ جن لوگوں نے قدیمی طریقہ سے خواہ رسوم ملک ہیں۔ یا طرز معاشرت ہیں۔ یا امور مذہبی ہیں ذرا بھی انحراف کیا۔ اُنکو اپنے ہمجنسوں سے سخت مخالفتیں اور مزاحمتیں پیش آئیں۔ مگر مبارک ہیں وہ جواں مرد جو اظہارِ صداقت میں صفحہ دنیا پر اپنے خون سے مُہریں کر گئے۔ اور اپنے کارنامے آیندہ نسلوں کے لئے بطور نظیر چھوڑ گئے۔ مُسلمانوں کے نہیں بلکہ ہر قوم کے۔ ایشیا کے نہیں بلکہ دنیا کے کسی حصہ کی تاریخ دیکھ لو۔ تمام انبیاء شہدا۔ صلحا میں کوئی ایک بھی ایسا نہ پاؤ گے جس نے اُن اصول کی تعلیم دی ہو۔ جو اُن کی قوم کے لوگوں کی سمجھ کے خلاف۔ یا یوں کہو کہ اُس سے اعلیٰ تھے۔ کامیابی حاصل کی ہو۔ بلکہ تم دیکھو گے کہ اُس کو

اپنے نیک ارادوں کے انجام میں ناکامیابی ۔ اور اپنے عظیم الشان کاموں کے اتمام میں مایوسی حاصل ہوئی ۔ غرض کہ جس کسی نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے خیالات سے برتر بات کہی وہ کبھی مقبول نہ ہوئی ۔ اگر سچائی کا اندازہ کامیابی اور ناکامیابی ہی سے کیا جائے تو دنیا میں سچ کوئی شے نہیں ۔ بلکہ مخالفت و مزاحمت کا نہ ہونا اور لوگوں کا یک رائے ہو کر کسی امر کا قبول کر لینا اُس امر کے صداقت کو مشتبہ کرتا ہے ۔

آنریبل مولوی سید احمد خان صاحب سی ایس آئی ۔ نے جو تحقیق ولادت مسیح علیہ السلام کی تفسیر القرآن میں کی ہے وہ ایک ایسا مضمون ہے جسمیں اُن کو صرف جمہور علماء اسلام سے ہی اختلاف نہیں بلکہ وہ کل اہل کتاب کے عقاید کے برخلاف ہے پس بالطبع ایسے مضمون کا لوگوں کے دلپر ویسا ہی اثر ہوتا تھا جیسا کہ ان مضامین کا خاصہ ہے اور ہمارے نجم الھند کو اُسکے جواب میں زمانہ کے لوگوں سے وہی سُننا پڑا جو سب شہدا و صلحا کو زمانۂ قدیم میں سُننا پڑا تھا ۔ ہمارے علماء میں ایک تہلکہ پڑ گیا ہے اور ہر طرف سے یہ ہی آواز آتی ہے کہ ھذا شی عجیب سید صاحب نے بزور دلائل عقلیہ و نقلیہ و انجیل و فرقان و کتب تواریخ یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ حضرت مسیح جو انسان تھے وہ انسانوں کیطرح پیدا ہوئے اور انسانوں کی طرح رہے ۔ آخر انسانوں ہی کی طرح مرے ۔ اُن میں اور اور انسانوں میں

جو کچھ مابہ الامتیاز تھا وہ منصب نبوت تھا۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ حضرت
مسیح کو یہ تحریر ناگوار نہ گذرتی اور یہود کو بھی جو بسبب شقاوت ازلی
کے حضرت مسیح پر طرح طرح کے بہتان باندھتے ہیں یہ تقریر رنج دہ
نہ ہوتی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اہل اسلام بھی کچھ اس احقاق حق
سے خوش نہ ہوئے۔ باعث اسکا یہ ہے کہ گو وہ حضرت مسیح کو خدا
کا بیٹا نہیں جانتے۔ بلکہ اسکا بندہ اور رسول جانتے ہیں۔ الّا باوجود
اقرار انسانیت وعبودیت حضرت مسیح کے اُن کی طرف لوازم انسانیت
منسوب کرتے جھجکتے ہیں۔ افراط وتفریط پر انسان کی طبیعت اس قدر
مائل ہوتی ہے کہ بجز ایک مضبوط اور غیر متعصبانہ خیال کے انسان اُسکی
طرف ضرور جھکتا ہے۔ خصوصاً مذہبی خیالات کے تائید میں یہ غلطی
اکثر واقع ہوتی رہتی ہے۔ دنیا میں ہزاروں نیک اور صالح اور پارسا آدمی
گذر چکے ہیں! ہزاروں ریفارمر اور مصلح رہ چکے ہیں؛ مگر سب دنیا
کے ہاتھ سے اذیتیں اور مصیبتیں برداشت کرتے چلے گئے۔ اور وہ
عزت وحرمت جسکی کہ وہ بلحاظ اپنی کوششوں اور ہمدردیوں کے
مستحق تھے۔ اُن کو مرتے دم تک نصیب نہ ہوئی لیکن پھر ایک زمانہ
کے بعد جب اُن کی کوششیں قدر ومنزلت کی آنکھوں سے دیکھی گئیں
تو اُن کی صرف اُسیقدر تکریم وتعظیم نہیں کی گئی جو درحقیقت اُن کو
ملنی چاہئے تھی۔ بلکہ اُسکو درجہ بیہودگی تک پہنچایا گیا۔ طبقہ اول کی
نیت بدتھی۔ اور جو کچھ وہ کہتے اور کرتے تھے محض اُن بزرگوں کا دل

ڈکھانے کو کہتے تھے اور طبقہ ثانی کے خیالات نیک نیتی پر مبنی تھے لیکن بجز اس فرق کے اور کوئی فرق اُن بزرگوں کے طرف اُن باتوں کی منسوب کرنے میں جو اُن میں نہ تھیں نہیں ہے۔ ہماری راے میں اُن لوگوں میں جو انبیا کو نہیں مانتے اور اُن لوگوں میں جو اُن کو مانتے ہیں لیکن اُن کیطرف اُن باتوں کی نسبت کرتے ہیں جو انسانوں میں نہیں ہوتے ہیں کچھ فرق نہیں ہے۔ انسان کو انسان ماننا اور اُس میں وہ خوبیاں بیان کرنا جو انسان میں ہو سکتی ہیں اُس کی عزت اور انسانیت کے فخر کا موجب ہے۔ لیکن اُسکو دائرہ انسانیت سے خارج کر کر اُس میں پھر وہ خوبیاں بیان کرنا کچھ فخر و عزت کا مقام نہیں ہے اگر حضرت مسیح میں وہ رحم دلی جو اُن کی تعلیم سے معلوم ہوتی ہے وہ بحالت انسان ہونے کے تسلیم کیجاوے تو وہ حقیقت میں فخر انسانیت ہیں۔ لیکن اگر اُن کو فوق الانسان مانا جاوے تو ایسی رحم دلی کیا اِس سے ہزار درجہ زیادہ کا بھی ادنی میں ہونا کچھ فخر کی بات نہیں ہے۔ پس جیسا کہ ہماری تحریر سے معلوم ہوا سید صاحب کی تفسیر مخالفین حضرت مسیح کو رنج دِہ ہے۔ ویسی ہی حد سے زیادہ اعتقاد رکھنے والونکو بھی شاق گذری ہے۔

مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب لاہوری نے بڑی زور شور سے اُس کی تردید میں کوشش کی ہے اور اُس کے جواب لکھنے میں ویسی ہی سختی برتی ہے جیسے فریسی عالموں نے حضرت مسیحؑ کے ساتھ روا رکھے تھے۔

اِس مضمون نے (خواہ کچھ ہی سبب ہو) نہایت درجہ کی شہرت حاصل کی ہے ۔ اور عوام میں مشہور ہے کہ وہ ایک نہایت محققانہ تحریر ہے ۔ ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ سید صاحب کی راے کی ہر باب میں بلا سوچے سمجھے تائید کریں ۔ بلکہ ہم اِن دونو تحریروں کو اپنے روبرو رکھتے ہیں اور نہایت ایمانداری سے دیکھنا چاہتے ہیں کہ اُن میں کون سی صحیح ہے اور اُسکو صحیح قرار دینے کے ہمارے پاس کیا وجوہ ہیں ۔

حضرت مسیح کے حالات دریافت کرنیکے ذریعے اسقدر کم اور ناقابلِ وثوق کامل ہیں کہ اُن کی زندگی کے حالات ایک معمّا ہو گئے ہیں ۔ سب سے بڑا ذریعہ تحقیق مجموعہ اناجیل ہے لیکن اُن میں بھی زیادہ تر اُن تین برسوں کی حالات ہیں جو حضرت مسیح نے یہودیوں کے وعظ و نصایح میں بسر کئے ۔ پھر اُن میں بھی بمقتضاے تعصبات زمانہ بہت کچھ تغیر ہو گیا ہے ۔ حضرت مسیحؑ کی ولادت اور اُن کے تیس برس تک کی زندگی کا حال ہیں کہیں سے معلوم نہیں ہو سکتا جن لوگوں نے حضرت مسیحؑ کے حالات لکھے ہیں ۔ وہ اِس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکے کہ جن مختلف مقامات اناجیل سے جو روشنی حالات مسیحؑ پر پڑتے تھے اُن مقامات کا انتخاب کیا ہے پھر اپنے قیاس و عقل سے نتیجے نکالے ہیں ۔ عیسائی جو اناجیل کو بتمامہ الہامی جانتے ہیں ۔ جو کچھ اُن میں مذکور ہوا ہے ۔ اُسکو بھی بالکل

یقینی جانتے ہیں - لیکن ہم انجیل کا اطلاق بموجب قرآن مجید کے صرف
اُس حصہ مجموعہ اناجیل پر کرتے ہیں جو حضرت مسیح کو بطور وحی ملا ۔
اور واقعات جو اناجیل کے لکھنے والوں نے بیان کئے ہیں ۔ اور جو
رائیں اُن کی نسبت دی ہیں ۔ وہ ایسی ہی قابل سہو ونسیان ہیں۔
جیسی اور مؤرخوں کی تحریریں۔ اس لکھنے سے ہمارا ہرگز یہ منشا نہیں
کہ اناجیل کے لکھنے والوں کی دیانت داری اور تقدس میں شک
کیا جاوے -

پس ہمارا اور ہر ایک نکتہ چین مؤرخ کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اُن کو اُسی
نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھے جس سے اور تواریخوں کو دیکھتا ہے۔
ظاہر ہے کہ ایسی صورتوں میں یقینی نتیجہ کو پہنچنا ایک مشکل اور ناممکن
امر ہے اور جو کچھ ہم دریافت کریں گے اُس کی نسبت یہ ہی کہا جائیگا
کہ ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو یا یوں ہوا ہوگا۔ ہر ایک قوم نے اپنے بزرگان
دین کی نسبت اُن کی عظمت و بزرگی زیادہ کرنیکو اپنے اوہام باطلہ
سے طرح طرح کی لغو حکایات بیان کئے ہیں اور عجیب عجیب معجزات لکھے
ہیں ۔ جن کا اکثر حصہ غیر ممکن الوقوع ہے اور اوہام کی تاریکی نے اصلی
حالات کو چھپا لیا ہے ۔ جیسا کہ ہمنے بیان کیا گو ہم اصلی حالات اور واقعات
عقل کے زور سے معلوم نہیں کر سکتے ۔ لیکن بعض اُن واقعات کا جو
غیر ممکن الوقوع ہیں قطعاً انکار کر سکتے ہیں - ایسے واقعات کے انکار
کے واسطے اتنا بھی ضرور نہیں کہ کسی قسم کی شہادت دیکھی جاوے ۔

ور اُسپر جج قدح کی جاوے ۔ پس حضرت مسیح کی نسبت جو بعض
ایسی روایتیں ہیں جو غیر ممکن الوقوع ہیں وہ خواہ حواریوں نے بیان
کی ہوں یا کسی اور مؤرخ نے ' مقدّس ہانہوں نے لکھا ہو یا غیر مقدس
ہانہوں نے ' اُن کی نسبت دردسری کرنی نہ فضول ہی ہے بلکہ سراسر
نادانی ہے ۔ پس اُنکے وہ معجزات جو غیر ممکن الوقوع ہیں اور وہ طریقہ
اُن کی ولادت کا جو بیان کیا جاتا ہے ' جسمیں آدم سے لیکر آجتک
کوئی پیدا نہیں ہوا ' ہم اُسی انکار محض اسی بنا پر کرتے ہیں کہ اس
قاعدہ کی نظیر قوانین فطرت میں موجود نہیں ہے ۔ میں نہیں سمجھتا '
اور نہ ایسا سمجھنے کی کوئی معقول وجہ ہے ' کہ کوئی عقلمند جج جسکے روبرو
کسی عورت کا بلا شوہر حاملہ ہونا بیان کیا جاوے ' اُسکی عصمت کی
تحقیقات کے درپے ہو گا ۔ بلکہ وہ جج اُس دعوی کو محض باطل
جانکر اپنی تحقیقات کو اس امر کے معلوم کرنے میں محدود کریگا
کہ وہ حمل کس سے ہوا ہے ۔ پس حضرت مسیح کی نسبت جو بحث
ولادت وغیرہ کے ہے اُسمیں وہ سب باتیں فرض کرلینی چاہئیں جو
اور انسانوں کے حالات دریافت کرنیکے وقت کرتے ہیں ہم
قوانین فطرت کو غیر متغیر اور ناقابل تبدیل وتحویل مانتے ہیں
اور اپنے سب خیالات اور افعال کی بنا انہی قوانین پر رکھتے
ہیں ' اور حقیقت میں دیکھو تو ہر ایک شخص عالم وجاہل بوڑھے
اور بچہ طوعاً اور کرہاً ان قوانین کو غیر متغیر مانتا ہے ۔ پس

حضرت مسیح کی نسبت یہ امور تنقیح طلب نہیں ہیں کہ وہ بغیر باپ
کے پیدا ہوئے یا باپ سے۔ مریم ولادت مسیح تک باکرہ رہیں
یا نہ۔ اِن امور کو بحکم قوانین قطرت ہم اول ہی تسلیم کرتے ہیں
ضرور وہ کسی سے پیدا ہوئے اور مریم اُس زمانہ تک باکرہ نہیں
رہ سکتی نہیں۔ امور تنقیح طلب یہ ہیں کہ حضرت مسیح کا باپ
کون تھا؟ اور جو تھا اُس سے حضرت مریم کا نکاح ہونا
ثابت ہے یا نہ جسکو مختصراً یوں لکھو کہ آیا حضرت مسیح بطور جائز
پیدا ہوئے یا کسی اور طرح؟ (نعوذ باللہ من ذالک)۔ ہمارا
یہ دعویٰ ہے کہ وہ یوسف کے نطفہ سے جنکے ساتھ مریم کی
منگنی ہو چکی تھی بطور جائز پیدا ہوئے۔ مولوی محمد حسین صاحب
ہمارے برخلاف ہیں۔

پس اول ہم یہ دیکھیں گے کہ آیا انجیل کے کوئی ایسی آیات ہیں
جن سے مسیح کا یوسف کے نطفہ سے ہونا پایا جاتا ہے۔ اگر
ہیں تو پھر یہ دیکھنا ہے کہ آیا وہ بموجب شریعت موسوی کے بطور
جائز پیدا ہوئے یا نہیں۔

ایک بڑی بھاری غلطی جو قریباً سب اہل مذاہب بعض تاریخی
واقعات کی تحقیقات میں کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کسی
کتاب تاریخ کو یا بالکلیہ صحیح اور اُس کے مصنف یا جامع کو
ناقابل سہو و نسیان سمجھتے ہیں یا برخلاف اِس کے اُسکو مطلقاً

ایسے غلط جانتے ہیں کہ اُس کے کسی جزو پر صحت کا اطلاق
نہیں ہو سکتا ۔ اِن لوگوں سے اگر اثنار بحث میں کوئی سند
کسی کتاب تاریخ وغیرہ سے لائی جاوے تو وہ ہمسے یہ اقرار
کراویں گے کہ ہم اُس کتاب کے ہر ایک حصہ کو ویسا ہی صحیح
اور راست جانیں جیساکہ ہم اُس کی کسی عبارت متمسکہ کو سمجھتے
ہیں ۔ اگر ہم اُس کے کسی حصہ کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں تو ہم پہ
ترجیح بلا مرجح کا الزام لگایا جاتا ہے ۔ اس غلطی کا منشاء ہمیشہ
قانون قدرت سے آگاہ نہونا اور اُن اصول و قوانین کا نہ جاننا
ہے جنسے تاریخی واقعات کا روایات و حکایات مشہورہ سے
استخراج کیا جاتا ہے اور جنپر کل علم تاریخ کی بنا ہے ۔ کوئی
وجہ نہیں کہ کسی امر مندرجہ تواریخ کو جسکی مخالفت نہ کسی قانون
قدرت سے ہے نہ عقل انسانی سے اور جو نہ کسی اور سبب سے
خلاف قیاس ہے مسترد کیا جاوے ۔ لیکن ہر ایک طرح ہمکو یہ
اختیار حاصل ہے کہ اُسی کتاب کے ایک اور واقعہ کو جو قانون
قدرت کے برخلاف ہے اور جس سے اِبطالِ علوم ضروریہ کا لازم
آتا ہے فوراً باطل قرار دیں ۔ لیکن اُسی اور واقعات مندرجہ
تاریخ مذکور کو بھی جسکا خلاف ہم کسی طرح ثابت نہیں کرسکتے
نامعتبر ٹھرانا سراسر جہالت ہے ۔ یہی اصول ہے جس سے ہزاروں
تاریخی واقعات کا استنباط کیا جاتا ہے ۔ ہمیں کتب تواریخ

ولادت مسیح

اہل ہنود سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں ہنومان ایک شخص
گذرا ہے جو بڑا بہادر آدمی تھا۔ اُسکا بہت کچھ حال لکھا ہے
جسکو ہم بلا کسی قانون قدرت کے ٹوٹنے کی تسلیم کر سکتے ہیں
لیکن اُسکا پہاڑ اُٹھا لانا جو اُسی تواریخ میں مذکور ہے ہم تسلیم
نہیں کر سکتے کیونکہ اِس سے قانون قدرت سے انحراف
لازم آتا ہے۔

اسی طرح ہم یقین کرتے ہیں کہ رُستم ایک شخص ہوا ہے جو ایک
بڑا پہلوان تھا۔ مگر جس کتاب سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے
اُس میں بہت سی ایسی باتیں بھی موجود ہیں جنکو کوئی
عقل سلیم تسلیم نہیں کر سکتی ۔

یہی غلطی حضرت مسیح کے حالات کی تحقیق میں مولوی محمد حسین صاحب
سے ہوئی اُن کا منشا یہ ہے کہ یا تو ہم عیسائیوں کے کتاب سے سند ہے
نہ لاویں اور اگر لائیں تو اُس کے ایک ایک فقرہ ایک جملہ ایک ایک لفظ
کو مثل وحی مُنزّل سمجھیں۔ یہ ہی باعث ہے کہ وہ کبھی امور مافوق العادت
مندرجہ انجیل کو ہمارے روبرو پیش کرتے ہیں۔ کبھی انجیل کی تحریف
پر بحث کرتے ہیں۔ کبھی کیٹوز سائیکلوپیڈیا کے مصنف* کی وہ رائیں
جو ہمارے مخالف مدعا ہیں پیش کرتے ہیں ۔ جیسا کہ ہم انجیل میں دیدہ
و دانستہ تحریف لفظی کے قائل نہیں ویسا ہی اُسکو انسانی سہو و نسیان
تقدم و تاخر حذف و زیادت کے آمیزش سے مبرا نہیں جانتے ۔

اور اُسکو صرف مورخانہ نظر سے دیکھتے ہیں۔
بنظر آسانی ہم اُسی ترتیب سے جواب لکھتے ہیں جو مولوی محمد حسین صاحب نے
اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں ملحوظ رکھی ہے۔ پس اول ہم بحث عقلی پر
جو سید احمد خان صاحب بہادر نے کی ہے نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں
کہ مولوی محمد حسین صاحب کی اُسپر کیا نکتہ چینی ہے اور وہ کسقدر صحیح ہے۔

بحثِ عقلی

اس بات کے ثبوت میں کہ حضرت مسیح بے باپ پیدا نہیں ہوئے سید احمد خانصاحب
بہادر نے مفصلہ ذیل تقریر تفسیر القرآن میں کی ہے " عیسائی اور مسلمان
دونو خیال کرتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ صرف خدا کے حکم سے عام انسانی
پیدایش کے برخلاف بغیر باپ پیدا ہوئے تھے اگر ایسا ہی ہونا فرض کیا جاوے
تو اول اس بات پر غور کرنے ہو گے کہ بن باپ پیدا کرنے میں حکمت الٰہی
کیا ہو سکتی ہے۔ ایسے واقعات جو خلاف عادت یا مافوق الفطرت
تسلیم کئے جاتے ہیں اُن سے یا تو قدرت کاملہ پروردگار کا اظہار
مقصود ہوتا ہے یا اُنکا وقوع بطور معجزہ مانا جاوے "

۱۔ جبکہ خداوند تعالیٰ اقسام حیوانات کو بغیر توالد و تناسل عادتاً
پیدا کرتا رہتا ہے اور خود انسان کو بھی بلکہ تمام حیوانات کو ابتداً اُسنے
اُسی طرح پیدا کیا یا یوں کہو کہ حضرت آدم کو بے ماں و بے باپ
کے پیدا کیا تھا تو حضرت عیسیٰ کو صرف بے باپ پیدا کرنے میں اُس سے

زیادہ قدرت کاملہ کا اظہار نہ تھا"

۲۔ "اگر یہ خیال کیا جاوے کہ صرف ماں سے پیدا کرنا دوسری طرح اظہار قدرت کاملہ تھا تو یہ بھی صحیح نہیں ہوتا اس لئے کہ اظہار قدرت کاملہ کے لئے ایک امر بیّن اور ایسا ظاہر ہونا چاہئے کہ جن میں کسی کو شبہہ نہ رہے۔ بن باپ کے مولود ہونا ایک ایسا امر مخفی ہے جسکی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اظہار قدرت کاملہ کے لئے کیا گیا ہے"

۳۔ "بطریق اعجاز حضرت عیسیٰ کے بن باپ کے پیدا ہونے پر معجزہ کا اطلاق بھی نہیں ہو سکتا۔ معجزہ بمقابلہ منکران نبوت صادر ہوتا ہے قبل ولادت حضرت مسیح بلکہ قبل ادّعاے نبوت یا الوہیت کوئی شخص منکر نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر معجزہ کیونکر کہا جاسکتا ہے علاوہ اِس کے جبکہ اُن کی ولادت ٹھیک اُسی طرح پر واقع ہوئی تھی جسطرح کہ عموماً بچوں کے ہوتی ہے کہ نو ماہ تک حمل میں رہے اور بر وقت ولادت حضرت مریم پر وہ حالات طاری ہوئے جو عموماً عورتوں پر بچہ پیدا ہونے میں طاری ہوتے ہیں تو کسیطرح اعجاز اُنکے پیدا ہونیکا کسی کو احتمال نہیں ہو سکتا تھا"

مولوی محمد حسین صاحب کوئی معقول نکتہ چینی اِس مقام پر نہیں کرسکے اور ہم کسیطرح مولوی صاحب کے اعتراضوں کو صحیح نہیں کہہ سکتے مولوی صاحب نے سید احمد خان صاحب بہادر کے دلائل کو فی الجملہ تسلیم کر لیا ہے اور آخر یہ کہکر پیچھا چھوڑا یا ہے کہ منکروں کا

شک و شبہ تو مشاہدات یقینیہ سے بھی رفع نہیں ہوتا - چنانچہ مولوی صاحب کی تقریر بجنسہ ذیل میں درج کیجاتی ہے

اول (جو ظاہر قرآن پر مبنی ہے) یہ ہے کہ بیشک مسیح ظاہر اور علانیہ طور پر بغیر باپ کے پیدا ہوئے جسکو اہل ایمان اور انصاف نے مان لیا اور منکروں نے اسی سبب سے بہتمت زنا متہم کیا اور صاف کہدیا کہ اے مریم تو یہ بہتان لائی نہ تیرا باپ برا تھا نہ تیری ماں بدکار تھی - اور شک و شبہ منکروں کا تو مشاہدات یقینیہ سے بھی رفع نہیں ہوتا - جب منکروں نے کسی روشن نشانی کو دیکھا تو ہذا سحر مبین - ہی کہا -

جواب دوم (جو ظاہر انجیل کے تسلیم پر مبنی ہے) کہ گو یہ امر اور وں پر ایک مدت تک مخفی رہا مگر حضرت مریم اور یوسف کو تو معلوم تھا اور اہل تسلیم اور ایمان کے سامنے ظہور کمال قدرت الہی کے واسطے صرف مریم صدیقہ کا بیان کافی ہے - بہت سے عجائبات کمالات قدرت الہی ابتدا پیدایش و عالم برزخ و عالم اخروی کے ایسے ہیں جنکو اور کسی نے نہیں دیکھا - صرف انبیا نے بیان کیا اور اہل ایمان نے مان لیا - رہی منکر سو انکا ماننا تو مشاہدات عامہ کو بھی نا ممکن ہے -

قبل از وجود نبی یا نبوت نبی بھی معجزہ کا وجود ممکن بلکہ واقع ہے انجیل لوک باب اول حمل یحیٰی کا حمل مسیح کے لئے اچھلنے کا قصہ اسپر

گواہ ہے اور حدیثوں میں بہت سے خوارق اس امر کے موید و
شاہد موجود ہیں۔ جیسے قبل نبوت آنحضرت صلعم کیطرف درختوں کا
سجدہ کرنا اور ایک پتھر کا آنحضرت صلعم کو سلام کرنا۔ کسریٰ کے
گھر میں زلزلہ واقعہ ہونا۔ فارسیوں کی آگ کا بجھ جانا جو ہزار سال
سے کبھی نہیں بجھی تھی۔ آپ پر بادل کا سایہ رہنا۔ ایک خشک
درخت کا آپ کے نزول سے سرسبز ہونا وغیرہ۔

ظاہر قرآن سے حضرت مسیح کا بے باپ پیدا ہونا ثابت نہیں نہ قرآن مجید
میں اس بات کا کہیں اشارہ ہے کہ مریم صدیقہ کو یہود نے بہ تہمت زنا
متہم کیا جو قول یہود کا قرآن مجید میں نقل ہوا ہے اُس میں تہمت زنا
کی کہیں بیان نہیں ہوئی۔ پس مولوی صاحب کا دعوی بلا دلیل ہے

جواب دوم جو ظاہر انجیل پر مبنی کہا گیا ہے ثبوت دعوی کیواسطے ناکافی ہے کیونکہ
اوّلاً اظہار قدرت کاملہ کے اہل تسلیم کے لئے اسقدر ضرورت نہیں جسقدر
منکرین کو ہے۔

ثانیاً۔ کوئی قول مریم صدیقہ کا اس مضمون کا انجیل میں بیان نہیں
ہوا جس میں حضرت مسیح کا بلا باپ پیدا ہونا صراحتاً بیان ہوا ہو۔

ثالثاً۔ ایک ایسی ظہور کمال قدرت الٰہی کے ثبوت میں جو بقول آپ کے
صرف مریم صدیقہ کے ہی بیان سے ثابت ہوتا ہے مریم صدیقہ کا ہی
قول بطور دلیل پیش کرنا اثبات شی لنفسہ نہیں تو اور کیا ہے۔ پس
مولویصاحب کا یہ کہنا کہ اہل تسلیم و ایمان کے سامنے ظہور کمال قدرت

الٰہی کے واسطے صرف مریم صدیقہ کا بیان کافی ہے بہت سی عجائبات و کمالات قدرت الٰہی ابتدائے پیدایش و عالم برزخ و عالم اخروی کے ایسے ہیں جنکو اور کسی نے نہیں دیکھا - صرف انبیا نے بیان کیا اور اہل ایمان نے مان لیا" ایک ایسی بات ہے جسکی تردید کیواسطے اُسکا لکھدینا ہی کافی ہے - ہر ایک دین باطل کا معتقد اپنے مذہب کی تائید میں یہ ہی قول مولویصاحب کا بطور حجت بیان کرسکتا ہے -

جواب نمبر ۳ - ابحاث عقلی میں مولویصاحب نے بالکل بحث عقلی و نقلی کو خلط ملط کر دیا ہے اور بجائے اِسکے کہ سید صاحب کے اس اعتراض کے جواب میں کہ "وجود نبی سے پہلے کوئی منکر نبوت نہیں ہو سکتا اور اسواسطے معجزہ بھی جو مقابلہ منکران نبوت میں ہوا کرتا ہے نہیں ہوسکتا" کوئی دلیل عقلی بیان کرتے چند بے بنیاد خوارق جنکی اصلیت مذہب اسلام میں خیالات شاعرانہ سے زیادہ نہیں دلائل عقلیہ کے جواب میں نقل کر دئیے - حالانکہ اُن خوارق کے نسبت بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی بطور اعجاز واقع نہ ہوئے تھے کیونکہ اُسوقت بھی کوئی منکر نبوت آنحضرت صلعم نہ تھا - پس مولویصاحب نے دلیل عقلی تو کوئی بیان نہ کی تھی مگر دلیل نقلی بھی **مصادرۃ علی المطلوب** سے خالی نہیں اِن دلائل سے مولویصاحب کی قوۃ استدلال معلوم ہوسکتی ہے اور ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ مولویصاحب کا یہ کہنا کہ "سید احمد خانصاحب بہادر کی کوئی بحث کذب و مغالطہ سے خالی نہیں کہانتک درست ہے -

ہمارا اپنا اعتراض مسیح کی ولادت خلاف عادت پر یہ ہے کہ اسطرحکا طریقہ پیدایش خلاف قانون فطرت انسانی ہے اور اسکی نظیر عالم فطرت میں موجود نہیں اور بس۔ اور یہی دلیل اس بات کی بھی ہے کہ ولادت مسیح بطور معمول ہوئی تھی اور اس بات کے ثبوت ہیں کہ مسیح یوسف کے تخم سے تھا ہم امور مفصلہ ذیل ایسے پیش کرتے ہیں جو مولویصاحب کے نزدیک بھی مسلم ہیں۔

(۱) مسیح انسان تھا۔ انسانوں کیطرح کھاتا پیتا تھا۔

(۲) مریم صدیقہ اُسکی والدہ تھی۔

(۳) یوسف مریم کا شوہر تھا۔ یا فرض کرو کہ مریم یوسف کی منسوبہ تھی۔

(۴) یوسف کے سوا مریم کا اور کسی آدمی سے کسی قسم کا تعلق ثابت نہیں۔

(۵) یوسف اور مریم نے مسیح کی پرورش کی۔

(۶) یوسف نے کبھی اس بات سے انکار نہیں کیا کہ مسیح میرا بیٹا ہے اگر کہیں انکار کیا تو اُس مقام کا نشان دو۔

(۷) عوام بھی (تا وقتیکہ حضرت مسیح نے اُن کے مذہبی امور میں دست اندازی کرکے اُنکو اپنا دشمن بنالیا) انکو یوسف کا بیٹا ہی جانتے تھے اور اُسی نام سے پکارتے تھے۔

اب ہم مولوی محمد حسین صاحب سے اور اُن کے سب ہمخیالوں سے پوچھتے ہیں کہ ان امور ہفتگانہ سے کیا نتیجہ نکلتا ہے اگر تمہیں تاریخی

تحقیقات میں کسی تاریخی شخص کی نسبت اسقدر امور معلوم ہوں توکیا پھر بھی اُسکے باپ کے متعین کرنے میں کچھ مشکل رہ سکتی ہے۔ پھر کیوں حضرت مسیح کے باب میں شک کئے جاتے ہیں۔

اسمیں شبہ نہیں کہ اِن امور ہفتگانہ کی معلوم ہونیکے بعد بھی طرح طرح کے احتمال کا امکان ہے اور صرف اِن امور کے معلوم ہونے سے وہ سب مراتب طے نہیں ہو سکتے جو کسی واقعہ کی صداقت یا عدم صداقت کے ثبوت کے لئے قواعد طریقہ استقراء کی رو سے طے ہونے چاہئیں۔ لیکن ولادت انسانی ایک ایسا امر مخفی ہے کہ اس قسم کے احتمال صرف حضرت مسیح کی نسبت ہی نہیں کئے جا سکتے بلکہ اور انبیا اور نیز ہر ایک شخص کی باب میں اس احتمال کا امکان ہے لیکن اِن شکوک کے امکان سے جانب مخالف کے جسسے حضرت مسیح کا بطور جائز پیدا ہونا مراد ہے سلب ضرورت لازم نہیں آتی ۔ اور تا وقتیکہ کوئی ایسی بات ثابت نہ کردی جاوے، جسکا احتمال بیان کیا جاتا ہے، اُن شکوک کو ہمارے اُس نتیجہ کے مقابلہ میں جو ہم امور ہفتگانہ مذکورہ بالا سے نکالتے ہیں، کسی قسم کی وقعت حاصل نہیں ہو سکتی ۔ پس اتنا تو ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ مسیح یوسف کے تخم سے تھا ۔ اب جو کچھ کلام رہیگی اُن کے مولود جایز یا (معاذاللہ) ناجایز ہونے میں رہیگی ۔ پس اگر ہم اتنا اور ثابت کردیں کہ اُس زمانہ میں شریعت موسوی میں منکوحہ و منسوبہ میں کچھ فرق نہ تھا، تو اُنکا یوسف کا مولود جایز ہونا بھی بخوبی ثابت ہو جائیگا ۔ اس لئے اب ہم بحث لفظی کے طرف متوجہ

ہوتے ہیں، اور پہلی آیات اناجیل پر غور کرتے ہیں۔

بحث نقلی

بحث از اناجیل وحواشی آن

اس بحث میں چونکہ ایک بڑا ضروری اور قابل بحث واقعہ جسکے اوپر تمام عام مسلمانوں اور مسیحوں کے نزدیک حضرت مسیح کے خلاف معمول طور پر پیدا ہونیکے ثبوت کا مدار ہے، وہ واقعہ ہی جسمیں مریم صدیقہ کے پاس فرشتہ کا آنا اور مریم کا اُس سے سوال وجواب کرنا بیان کیا گیا ہے۔ یہ واقع انجیل اور قرآن مجید دونوں میں بیان ہوا ہے اور چونکہ قرآن مجید میں بعض الفاظ ایسے واقع ہوئے ہیں جس سے کہ اُس واقعہ کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے اِس لئے ہم اُسکو اس جگہ مجملاً بیان کر دیتے ہیں کہ ہمارے اگلے ابحاث کے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

الآیۃ فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لھا بشراً سویّاً (مریم)

یہی واقعہ انجیل لوقا باب اول میں بیان ہوا ہے۔ اس طور سے فرشتہ کے دیکھنے کو کتاب مقدس میں قطع نظر اس سے کہ فرشتہ کو حالت خواب میں دیکھا جائے یا حالت بیداری میں، رویا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انجیل میں اسبات کی کہ وہ فرشتہ حضرت مریم کو حالتِ خواب میں دِکھلائی دیا تھا یا بیداری میں کچھ تشریح نہیں کی گئی۔ اور الفاظ انجیل محتمل ہر دو وجھوں کے ہیں

لیکن سید صاحب نے بعض قراین سے اس واقعہ کا حالتِ رویا میں ہونا قرار دیا ہے
چنانچہ اُنکی تقریر ہم درج ذیل کرتے ہیں۔
بعض علماؒ کا قول ہے کہ اِس سورہ میں جو خطاب فرشتوں کا حضرت مریم سے ہے وہ بطریق
الہام اور روع فی النفث اور القافی القلب کے ہے۔ مگر مجھکو کچھ شبہ نہیں ہے جیسے کہ
سیاق کلام سے پایا جاتا ہے کہ امر بشارت جو اس سورہ میں اور سورہ مریم میں بیان
ہوا ہے وہ ایک ہی واقعہ ہے اور رویا میں واقع ہوا تھا، اور سنٹ متی
کی انجیل سے بھی ایسا ہی مستنبط ہوتا ہے، کیونکہ بموجب اُس انجیل کے
یوسف کو بھی اس فعل کی خبر خواب میں بذریعہ فرشتہ کے دی گئی تھی۔
مولوی صاحب نے اس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے :۔
لفظ رویا یا خواب اس موقعہ پر نہ قرآن مجید میں ہے نہ انجیل میں ہاں یوسف
کے پاس فرشتہ کا خواب میں ظاہر ہو کر حمل کی خبر دینا مذکور ہے۔ اِس سے
یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مریم کے پاس بھی وہ خواب میں ہی آیا ہو"
گو ہم بھی اس واقعہ کا حالت خواب میں ہونا ضروری نہیں سمجھتے لیکن
اس اعتراض میں بھی مولوی صاحب کو غلطی سے بری نہیں کر سکتے۔
ہمنے ابھی بیان کیا ہے کہ رویا کا لفظ نہایت وسیع معنی میں کتاب مقدس
میں مستعمل ہوتا ہے۔ پس اگر مقام مذکور پر رویا کا لفظ ہوتا بھی، تب بھی
اُس سے یہ متعین ہوتا کہ آیا وہ رویا خواب تھا یا بیداری میں ہوا تھا، ایک ناممکن

---

*ومن الناس من قال ان ذلک کان علی سبیل النفث فی الروع والالہام والالقاء
فی القلب کما کان فی حق ام موسیٰ علیہ السلام فی قولہ واوحینا الی ام موسیٰ الخ۔ تفسیر کبیر

امر ہوتا - پس مولوی صاحب کی بنا، دلیل یہاں بھی سراسر غلط ہے۔ حضرت ذکریا کے پاس فرشتہ کا آنا (جو قرآن مجید میں بھی بیان ہوا ہے) انجیل میں رویا سے تعبیر کیا گیا ہے (دیکھو لوقا باب*) حالانکہ ذکریا اُسوقت بیدار تھا اور ہیکل میں عبادت کو گیا تھا۔

چونکہ انجیل سے اُسکا فیصلہ نہیں ہو سکتا اس لئے ہم قرآن مجید کے طرف رجوع کرتے ہیں اور اُسمیں وہ آیت ہی جو ہمارے بحث کے اس حصہ کا عنوان ہے۔ قرآن مجید میں بھی کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس سے اس واقعہ کا خواب ہونا پایا جاتا ہو، اور نہ کوئی قطعی دلیل یا قرینہ قریب القطعی ایسا ہے جس سے اُس واقعہ کو خواب تسلیم کیا جاوے۔ مگر با ایں ہمہ مولویصاحب کا مطلب کسی طرح ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ہماری رائے میں بھی یہ واقعہ رویا تھا جو حالت بیداری میں واقع ہوا تھا۔ اور سید صاحب کی تقریر مذکورہ ذیل نہایت ہی صحیح اور معقول ہے۔

تمام یہودی یقین رکھتے تھے کہ اُن میں ایک مسیح پیدا ہونے والا ہے

*فنادتہ (ای زکریا) الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب ان اللہ یبشرک بیحیی (آل عمران)

(۱۱) تب اُسکو خداوند کا فرشتہ مذبح بخور کے دہنے طرف کھڑا ہوا دکھائی دیا (۱۲) اور ذکریا دیکھکر گھبرایا اور ڈر اُسپر غالب ہوا (۱۳) پر فرشتہ نے اُس کو کہا اے ذکریا مت ڈر (۲۱) اور لوگ ذکریا کی راہ دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ وہ ہیکل میں دیر کرتا ہے (۲۲) جب باہر آیا اُن سے بول نہ سکا اور وہ جان گئے کہ اُس نے ہیکل میں رویا دیکھا تھا - (لوقا باب ۱ اول)

جو یہودیوں کی بادشاہت کو پھر قائم کریگا۔ اس لئے یہودی اور یہودی عورتیں بیٹا ہونیکی نہایت آرزو رکھتے تہیں اور دعائیں مانگتی تہیں، اور عبادتیں کرتی تہیں کہ وہ شخص ہمارا ہی بیٹا ہو۔ ایسی حالتوںمیں انکا اس قسم کی خوابوں کا دیکھنا، یا بن بولنے والے کے آوازوں کا سُننا یا متخیلہ میں کسی مجسم شے کا دکھلائی دینا ایسا امر ہے جو بمقتضاے فطرت انسانی واقع ہوتا ہے۔

سید صاحب کی اس تقریر کی قرآن مجید سے بھی تائید ہوتی ہے اور اس واقعہ کو خواب قرار دینی کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔ لفظ تمثّل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں کوئی فرشتہ نتھا، بلکہ محض وہم وخیال تھا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے تمثّل کا ترجمہ بنکر آیا کیا ہی مگر اسکا ترجمہ دکھائی دیا یا آنکھوں میں صورت بندگئی کریں کریں تو بہت چسپاں ہے۔ عرب کہتے ہیں تمثّل الشئُ ای تصور مثاله وتمثّل الشی لفلان تصوّر یہی معنی کتب لغت عربی مثلاً محیط المحیط وغیرہ میں لکھے ہیں اور یہی معنی محاورہ عرب اور عام بول چال میں مُروّج ہیں۔

امام فخرالدین رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے چنانچہ سورۂ یوسف میں بذیل آیت همت به وهمّ بها لولا ان رای برهان ربّه (سورۂ یوسف)

نقلوا عن ابن عباس انه تمثّل له يعقوب فرآه عاضا على اصابعه ويقول له اتعمل عمل الفجار وانت مكتوب فى زمرة الانبياء وقال سعيد بن جبير تمثّل له يعقوب	یعنی روایت ہے کہ جب عزیز مصر کی عورت یوسف علیہ السلام کو گھر میں لیگئی اور در دروازہ بند کر کر اُنکو بُرائی پر آمادہ کیا

فضرب فی صدرہ ۔ قالوا انہ سمع فی الھواء قائلاً یقول یا ابن یعقوب لا تکن کالطیر وغیرہ تفسیر کبیر جلد ۵ تمثل لہ یعقوب علیہ السلام عاضاً علی انملتہ تفسیر ابی سعود

تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ گویا اُن کے والد ماجد انگشت بدندان سامنے کھڑے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہیں نبی ہو کر ایسا نالائقی کا کام کرتا ہے؟ سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ حضرت یعقوب نے اُنکے سینہ پر ہاتھ مارا بعضوں نے کہا ہے کہ اُنہوں نے غیب سے کوئی آواز سُنی۔

اِن مقامات تفسیر کبیر سے نہ صرف لفظ تمثّل کی معنی ہی معلوم ہوئے بلکہ اِن سے نفس انسانی کے کیفیات اور اُنکا اثر اُور حواس و قویٰ پر بھی ظاہر ہوتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے خیال نے نہ صرف اُنکے والد ماجد کی صورت سے پیش کی بلکہ کانوں نے اُنکی آواز سُنی اور جسم نے اُن کی ضرب محسوس کی گویا باصرہ ۔ سامعہ ۔ لامسہ ۔ تینوں قوتوں نے دھوکہ کھایا ۔ حضرت مریم کو بھی ایسی ہی صورت پیش آئی یعنی جب وہ عبادت میں تن تنہا مشغول تھیں تو اُن کی آنکھوں میں ایک ایسی صورت بندھ گئی کہ گویا کوئی فرشتہ سامنے کھڑا ہے اور اُس چیز کی بشارت دے رہا ہے جسکی اُنکو مدت سے تمنّا تھی ۔ اُن کے حِسّ باصرہ اور سامعہ نے دھوکا کھایا اور اُنہوں نے حقیقی آدمی جانکر اُن سے سوال کیا اور جو اُن کے دل میں خیال تھا وہ ہی بطور جواب کے سُنا ۔ اِسطرح حِسّ باصرہ اور سامعہ کا غلطی کرنا ایک معمولی بات ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ۔ اگر اسکو کچھ تعجب کی بات سمجھا جاتا ہے تو تمثّل یعقوب علیہ السلام زیادہ تر تعجب اور حیرت کی بات ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام کے باصرہ اور سامعہ ہی نے غلطی نہیں کی بلکہ قوت لامسہ نے بھی جو اور قویٰ کی نسبت زیادہ تر یقین دلاتی ہے

احساس میں غلطی کی۔ حالانکہ اس واقعہ پر کسی قسم کا تعجب ظاہر نہیں کیا جاتا۔
جب اس واقعہ کی حقیقت معلوم ہوگئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ امر بشارت ایک رویا
تھا تو اب اصلی بحث کیطرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

پہلی دلیل جو سید صاحب نے اس بات کے ثبوت میں دی ہے کہ حضرت
مسیح یوسف کا بیٹا تھا یہ ہے کہ بموجب کتاب مقدس کے مسیح کا نسل داؤد
سے ہونا ضرور ہے اور وہ بغیر اسکے کہ وہ یوسف کے تخم سے ہوں ثابت ہونا ناممکن
ہے۔ چنانچہ سید صاحب کی تقریر مختصر طور پر ذیل میں درج کیجاتی ہے
"مسیح کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ وہ داؤد کی نسل سے ہونگے . . . . جنھوں نے
اُنکو مسیح موعود مانا اور عیسائی یا نصاری کہلائے، اُن سب کو کامل یقین تھا
کہ وہ حضرت داؤد کی اولاد میں ہیں۔ انجیل متی میں لکھا ہے یسوع مسیح
ابن داؤد ابن ابراہیم اور لوقا کی انجیل باب درس ۲۷ - اور متی کی انجیل باب
درس ۲۰ سے پایا جاتا ہے کہ یوسف حضرت مریم کا شوہر داؤد کی نسل سے تھا
مسلمان بھی قرآن کے روسے جیسا کہ سورہ انعام میں لکھا ہے حضرت عیسےٰ کو
حضرت ابراہیم کی ذریت سمجھتے ہیں۔ پس اگر حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے
ہوں تو وہ نسل داؤد یا اولاد ابراہیم سے کیونکر قرار پا سکتے ہیں۔
اگر یہ کہا جاوے کہ ماں کے سبب سے اُن کو داؤد کی نسل سے قرار دیا گیا ہے
تو یہ بات دو وجہ سے غلط ہے اول اس لئے کہ یہودی شریعت میں عورت کی
طرف سے نسبت قائم نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یہ کہ حضرت مریم کا بھی داؤد کی
نسل سے ہونا ثابت نہیں۔ قرآن مجید میں حضرت مریم کے باپ کا نام عمران لکھا ہے

جو داؤد کے نسل سے نہ تھا "

علاوہ اس کے خود انجیل میں مسیح کو متعدد مواقع میں یوسف کا بیٹا لکھا گیا ہے چنانچہ وہ مقامات بھی نقل کئے جاتے ہیں :-

متی باب ۱۳ آیت ۵۵ - کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں ، کیا اِسکی ماں مریم نہیں کہلاتی ؟

یوحنا باب ۶ آیت ۴۲ - کیا یہ یسوع یوسف کا بیٹا جسکے ماں باپ کو ہم پہچانتے ہیں نہیں ہے ؟

یوحنا باب ۱ آیت ۴۵ - جسکا ذکر موسیٰ نے توریت میں کیا ہے وہ یوسف کا بیٹا یسوع ناصری ہے ۔

لوقا باب ۲ آیت ۲۷ جب ماں باپ لڑکے یسوع کو اندر لائے ۔

لوقا باب ۲ آیت ۴۱ - اُسکے ماں باپ ہر برس عیدفسح میں یورشلیم کو جاتے تھے ۔

لوقا باب ۲ آیت ۴۸ - اے بیٹے کس لئے تونے ہم سے یہ کیا ؟ دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے ؛

پس توریت سے مسیح کی اولاد داؤد ہونیکی ضرورت ، اور اناجیل سے واقع میں اُنکا اولاد داؤد ہونا اظہر من الشمس ہے - جن آیات مذکورہ بالا سے حضرت مسیح کا پسر یوسف ہونا ثابت ہے ، وہ ایسی صریح آیات ہیں کہ بجز تبدیل و تاویل کے کسی طرح اُن سے انکار نہیں ہو سکتا ، اور مولویصاحب کو بھی بجز تاویل کے اور کوئی سبیل دفع الوقتی کی نہیں ملی ہے ۔

بجواب تقریر سید صاحب مولویصاحب نے اول اُس رویا کو انجیل متی اور لوقا سے نقل کیا ہے ، جسکا ہمنے پیچھے بیان کیا ہے اور اُسکے بعد فرماتے ہیں کہ اُن آیات

کی جنہیں مسیح کو یوسف و داؤد کا بیٹا کہا ہے بایں طور تاویل واجب ہے کہ وہاں بیٹے سے شرعی اور سببی بیٹا مراد ہے۔ صلبی بیٹا مراد نہیں ہے" اور دلیل اس تاویل کی یہ بیان فرمائی ہے کہ صحیفہ یشعیاہ میں باکرہ کا حاملہ ہونا بیان کرنا ہے کا قبل ہمبستر ہونیکے حاملہ پایا جانا، اور بجواب استبعاد مریم کے کہ میرا کیونکر بیٹا ہوگا، فرشتہ کا یہ جواب دینا کہ خدا کے آگے کوئی امر ناممکن نہیں، اور اسکی نظیر میں ایک خلاف عادت امر (بانجھ کا حاملہ ہونا) کو پیش کرنا صاف یقین دلاتا ہے کہ مسیح یوسف کے نطفہ سے پیدا نہیں ہوا۔

ہم صحیفہ یشعیاہ کی پیشگوئی کا مطلب اور قبل ہمبستر ہونیکے معنی آگے چلکر بیان کریں گے۔ یہاں صرف اسقدر کہنا چاہتے ہیں کہ مریم کے استبعاد اور فرشتہ کی نظیر امر خلاف عادت پیش کرنے سے کسیطرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح تخم یوسف سے نہ تھا۔ کیونکہ حقیقت میں نہ مریم کے پاس کوئی فرشتہ آیا تھا اور نہ کوئی گفتگو ہوئی تھی بلکہ یہ سب کچھ مریم کے متخیلہ کا نتیجہ تھا اور جو کچھ انکو نظر آیا وہ سراسر وہم و خیال تھا۔ اس بات کی دلیل نقلی کہ یہ محض ایک خیالی واقعہ تھا ظاہر قرآن پر مبنی ہے جہاں صاف لفظ تمثل موجود ہے۔ رہی دلیل عقلی سو عقل کے نزدیک کسی طرح ان اقسام کے خیالوں کا آنا، خصوصاً جب انسان کے دل میں اسی قسم کے خیالات پیشتر سے موجود ہوں، کچھ بھی مشکل نہیں۔ تمثل کی تحقیق میں جو مقامات تفسیر ابی سعود سے نقل ہوئے، اُنسے معلوم ہوا ہوگا کہ حضرت یوسف نے حضرت یعقوب کو نہ صرف آنکھوں ہی سے دیکھا بلکہ یہ بھی محسوس کیا کہ اُنہوں نے اُن کے سینہ پر ہاتھ مارا، حالانکہ وہاں یعقوب موجود نہ تھے، لیکن حضرت یوسف کے

دل میں یہ خیال تھا کہ اگر حضرت یعقوب مجھے اِس حالت میں دیکھ پائیں، تو تخت لعنت ملامت کریں۔ اِسی خیال خوف نے اِسقدر زور پکڑا کہ اُنہوں نے فی الواقع اپنے سینہ پر ضرب محسوس کی۔

حضرت مریم کے دل میں بھی اور یہودی عورتوں کیطرح یہ آرزو تھی کہ مسیح موعود میرا ہی بیٹا ہو، اور وہ خدا کے نزدیک ایسا ہونا ناممکن نہ سمجھتے تھے اِس لئے فرشتہ کا نظر آنا، اور اِس قسم کی باتوں کا کرنا کچھ بعید نہیں۔ یہ بھی ایک معمولی بات ہے کہ انسان جب اپنے ساتھیوں کو اپنے مقاصد میں کامیاب ہونا دیکھتا ہے تو اُسکے دل میں بھی حوصلہ و تقویت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت مریم نے ذکریا کی بیوی کے حمل کی خبر پیشتر سے سُنی ہوگی جو اُن کو اُسوقت جواب میں سنائی دے۔ پس مولویصاحب کا اعتراض اُسوقت بجا ہو سکتا تھا، جب ہم یہ کہتے کہ حقیقتاً کوئی فرشتہ مریم کے پاس آیا تھا لیکن جب قرآن مجید خود فرشتہ کا وجود تمثیلی بتا رہا ہے، تب یہ اعتراض کسطرح وارد ہو سکتا ہے؟ ہم مریم صدیقہ کو باوجود اُنکی عصمت و عفّت کے اُس زمانہ کے خیالات واوہام سے مستثنےٰ نہیں کر سکتے۔ جن لوگوں میں وہ پیدا ہوئیں ہیں جنہیں اُنہوں نے پرورش پائی، وہ سب اِس کے مؤید ہیں کہ ایسے خیالات مریم سے بعید نہ تھے۔ یہ علیحدہ بحث ہے کہ فرشتہ کا آنا حقیقتاً ہوا یا نہ، لیکن اگر ہم کہیں کہ اُسکا وجود تمثیلی تھا جیسا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہے تو پھر اُن باتوں پر جو اُس خیالی فرشتہ سے ہوئیں، علیحدہ اعتراض کرنا بالکل بیجا ہے۔

افسوس کہ مولویصاحب نے اِس بے بنیاد اعتراض کے خیال سے تمام اُن آیات کے

جنہیں بصراحت تمام مسیح کو یوسف کا بیٹا لکھا ہے، تاویل کرنی پسند کی۔ ہم حیران ہیں کہ اور کون سے الفاظ تھے جسکے لکھنے سے یہ معلوم ہوتا کہ بیٹے سے مُراد حقیقی بیٹا ہے اور مجازی نہیں۔ ہماری رائے میں ایسے صریح آیات کی تاویل کسی طور سے جائز قرار نہیں پا سکتی۔ نہ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ پیشگوئی میں ایسا مبہم لفظ استعمال کیا جاتا، جسسے پیشگوئی ہی بالکل مشتبہ ہو جائے۔ گو عرفاً مجازی بیٹے کو بھی بیٹا کہا جاتا ہے، لیکن پیشگوئی میں ایسا لفظ استعمال کرنا جسسے پیشگوئی کا بالکل زور جاتا رہے قرین قیاس نہیں ہے۔ پس مسیح کا داؤد کی نسل ہونا ضروری ہے، اور یہ پیشگوئی اُن کی یوسف کے تخم ہو نیسے پایہ ثبوت کو پہنچے۔ یہاں یہ بھی بخوبی معلوم ہو گیا کہ مولویصاحب کے دلیلوں کی بنیاد اِس بحث میں تاویلوں اور مجازی معنوں پر ہے، اور سید صاحب کی تحریر الفاظ کے حقیقی معنوں پر۔

دوسری دلیل اس بات کے ثبوت میں کہ مسیح یوسف کے تخم سے تھا، سید صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ ابتدا میں مسیح کے بغیر باپ پیدا ہونیکا کسیکو بھی خیال نہ تھا، حتیٰ کہ حواریوں کو بھی اسکی اطّلاع نہ تھی، اور بحوالہ پادری رچارڈ ڈوائسن لکھا ہے کہ "یہ عام یقین تھا کہ حضرت عیسیٰ یوسف کے بیٹے ہیں، اور اُن کا معجزہ کے طور سے پیدا ہونا مشہور نہیں کیا گیا تھا، بلکہ یوسف اور مریم کے دلوں ہی میں مخفی تھا۔ اگر یہ بات مشہور ہو جاتی تو لوگ اکثر حضرت مریم کو تنگ کیا کرتے۔ لوقا کے اِس فقرہ سے کہ "وہ یوسف کا بیٹا خیال کیا جاتا تھا" یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعد عروج مسیح یہ امر معلوم ہوا، اور بغیر کسی شبہ کے مان لیا گیا، اسی وجہ سے یہ بات متی اور لوقا نے انجیل میں داخل کی ہے"۔

پادری صاحب کی یہ تقریر نہایت ہی درست ہے۔ کیونکہ جن مقامات میں مسیح کو یوسف کا بیٹا کہا گیا ہے، اُنکا اور کچھ مطلب نہیں ہوسکتا۔ بجز اس کے کہ سب لوگ مع حواری یہی خیال کرتے تھے کہ مسیح بطور معمول پیدا ہوا ہے۔

مولوی صاحب نے سید صاحب کی تقریر پر نہایت تہذیب و خوش خلقی سے یہ زیب رقم فرمایا کہ "یہ کہنا کہ مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا حواریوں نے بھی نہیں جانا محض خلاف واقعہ اور پرلی سرے کی جرأت ہے۔ جو حال پیدائش مسیح کا انجیل لوک و متی سے بیان ہوا ہے یہ متی حواری کا بیان ہے پر یہ کہنا کہ حواریوں نے اُسکو نہیں جانا کیا معنی رکھتا ہے"۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب سید صاحب کا مطلب بالکل نہیں سمجھے۔ سید صاحب کا مطلب تو صرف اسقدر ہے کہ ابتدا میں سب یہی خیال کرتے تھے کہ مسیح یوسف کا بیٹا ہے جیسا کہ لوقا کی انجیل میں ہے کہ "وہ یوسف کا بیٹا خیال کیا جاتا تھا"۔ اور یہ بات یوسف و مریم کے دلوں میں مخفی تھی؛ مگر واقع عروج کے بعد یہ بات از نہ معلوم اسکی اصل اور منشا رغلطی کیا تھا مشہور ہوئی کہ حضرت مسیح خلاف عادت پیدا ہوئے تھے، یہ بات حواریوں نے تسلیم کر لی اور انجیل میں اُسکو بیان کر دیا۔ اب اسمیں خلاف واقعہ بات کون سی ہوئی۔ اگر مولوی صاحب کسی آیت سے یہ ثابت کر دکھاتے کہ واقعہ صلیب سے پہلی ہی لوگ اور حواری اُنکو بے باپ پیدا ہوا مانتے تھے تو اُنکا معارضہ ٹھیک ہوتا۔ لیکن مولوی صاحب نے کوئی ثبوت ایسا نہیں دیا جسے معلوم ہو کہ قبل از واقع عروج مسیح کی پیدائش بطور اعجاز سمجھی جاتی تھی۔ پس مولوی صاحب کا اعتراض سراسر فضول ہے، اور مسیح کا بغیر باپ پیدا ہونا زمانہ تصلیب تک معلوم نہیں ہوا۔ مسیح کی والدین

اُسکو اپنا بیٹا کہتے تھے، اور لوگ بھی اسے نام سے پکارتے تھے چنانچہ وہ مواقع جنسے ہمنے استشہاد کیا ہے پیچھے بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت مسیح جو خدا کا بیٹا کہلائے اُسکی وجہ سید صاحب نے یہ بیان کی ہے:۔

"یونانیوں میں ایک عام خیال تھا کہ نہایت مقدس اور بزرگ شخص کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ ہرکیولیس، رامبولس، فیثاغورث، ان سبکو یونانی خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ جب حواریوں کو یونانی زبان کے ذریعہ سے دین عیسوی پھیلانا مدنظر ہوا تو حضرت عیسیٰ کو ایسے بزرگ لقب سے ملقب کرنا پڑا ہوگا، جو یونانیوں کے خیالات سے مناسب تھا۔ پھر بھی انہیں انجیلوں میں یوسف کو حضرت مریم کا شوہر اور حضرت مسیح کا باپ تسلیم کیا ہے:۔

اس تقریر پر مولوی صاحب نے نہ صرف معمولی نکتہ چینی کی ہے بلکہ تاریخ دانی، اور تاریخ دانی کیا، ہمہ دانی کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں:۔

آپ کا یہ دعویٰ کہ مقدس اور بزرگ لوگونکو خدا کا بیٹا کہنا صرف یونانیوں میں مروج تھا اُنہیں کی تقلید سے حواریوں نے مسیح کو خدا کا بیٹا کہا ایسا غلط و بے بنیاد خیال ہے جسپر سوائے دلائل متخلیہ جناب کوئی دلیل نہیں ہے۔ جناب من مقدس اور بزرگ لوگونکو خدا کا بیٹا بمعنی محبوب عہد عتیق میں بہت جگہ کیا گیا ہے تعجب ہے کہ آپکو کہیں نظر نہیں آیا، یرمیاہ۔ زبور۔ خروج۔ پیدائش وغیرہ کتابوں سے ہم استشہاد کیا ہے۔

سید صاحب نے کہیں اسبات کا دعویٰ نہیں کیا کہ بزرگ لوگوں کو خدا کا بیٹا کہنا

بیٹا دیکھو صفحہ ۱۴۴

صرف یونانیوں ہی میں مروّج تھا. اگر مولویصاحب نے جیسا کہ اُن کے تحریر سے ظاہر ہے، سید صاحب پر یہ اِتّہام ناحق لگایا ہے۔ سب ناظرین تفسیر کا ملاحظہ فرماویں اور دیکھیں کہ کہاں سید صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے؟ بااین ہمہ افتراپردازی ہم مولویصاحب کو جھوٹا یا کذّاب یا مفتری کہنا نہیں چاہئیے:-

یونانی بھی مقدّس لوگوں کو جو خدا کا بیٹا کہتے تھے، تو بیٹا بمعنی مجازی یعنی پیارا اور عزیز استعمال کرتے تھے۔ پس سید صاحب کا صرف اسقدر مطلب ہے کہ حضرت مسیح کو ہی خدا کا بیٹا نہیں کہا گیا، بلکہ اور بہت سے لوگوں کو بھی کہا گیا ہے، خواہ وہ لوگ عرب کے ہوں، خواہ عجم کے؛ ہندوستان کے ہوں، یا یونان کے؛ عہد عتیق میں لکھا ہو، یا ھومر کی تصانیف ہیں. پس اگر مولویصاحب نے چند مقامات عہد عتیق پیش کر دکھائے، جیسے مشن اسکولوں کے بچے بھی واقف ہیں، تو کونسی اُن کی ہمہ دانی ثابت ہو گئی؟ علاوہ اِس کے جب انجیلیں یونانی زبان میں لکھی گئیں، تو ظاہر ہے کہ انجیل کے لکھنے والوں نے وُہ ہی طریقہ اظہار خیالات کا اختیار کیا ہوگا، جو یونانیوں کے مناسب تھا. پس یہ بات کہ یونانیوں کی تقلید سے مسیح کو خدا بیٹا کہا گیا، بہ نسبت اِس کے کہ عہد عتیق کے محاورہ کی پابندی کی گئی، زیادہ تر قرین قیاس ہے. کوئی ثبوت اس امر کا بھی نہیں ہے کہ حواری بالضرور عہد عتیق کے محاورہ کے پابند تھے؛ پھر جب یہ خیال کیا جاوے کہ محاورہ عہد عتیق اور یونانی محاورہ کے اصل ایک ہی ہے، اور اِس بات کا بھی لحاظ کریں کہ اناجیل کا ترجمہ یونانی زبان میں کرتا تھا. تو ہر ایک طرح سے اِس بات کے یقین کرنے کی قوی وجہ ہے کہ یونانیوں کے

طریقہ اظہار خیالات کے ہے رعایت النسب واولی تھی۔

بڑا ضروری اور غور طلب حصّہ بحث ولادت مسیح کا وُہ ہی ہے جس میں مریم صدیقہ کی نسبت و نکاح سے بحث ہے۔ سید صاحب نے حضرت مریم کی نسبت و نکاح کے باب میں، اور جن رسوم اور جن اصول پر وہ نسبت یا نکاح مبنی تھے، مفصلہ ذیل تقریر تفسیر القرآن میں تحریر فرمائی ہے:۔

"اُس بات کو حواری حضرت عیسیٰ کے اور تمام عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مریم کا خطبہ یوسف سے ہوا تھا۔ یہودیوں کے ہاں خطبہ کا یہ دستور تھا جیسا کہ کیٹو سائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ شوہر و زوجہ میں اقرار ہو جاتا تھا کہ اسقدر میعاد کے بعد شادی کرینگے۔ یہ اقرار گواہوں کی موجودگی میں ہوتا تھا، جسطرح کہ ہم مسلمانوں میں نکاح خط لکھا جاتا ہے۔ یہ معاہدے حقیقت میں عقد نکاح تھے۔ صرف زوجہ کا گھر میں لانا باقی رہ جاتا تھا، جو میعاد مقررہ پر ہوتا تھا: جیسے کہ مسلمانوں میں شرعی نکاح کے بعد زوجہ فی الفور گھر میں نہیں لائی جاتی۔ یہودیوں کے ہاں اس رسم کی ادا ہونیکے بعد مرد اور عورت باہم شوہر اور زوجہ ہو جاتے تھے، اور کوئی ایسی رسم جس پر جواز تزّوج منحصر ہو، عمل میں نہیں آتے تھے۔ یہانتک کہ اگر بعد اس رسم کے اور قبل رخصت کرنے کے، اُن دونوں سے اولاد پیدا ہو، تو وہ اولاد جائز تصور ہوتی تھی"۔

یہ تمام تقریر سید صاحب کی نہایت صحیح اور معقول ہے جسکا بہت سا حصّہ تاریخی واقعات ہیں جو سائیکلوپیڈیا سے نقل ہوئے، اور کچھ وہ نتائج

ہیں جو اُن مقدمات سے نکلتے ہیں جو کتاب مذکورہ میں بیان کئے ہیں، اور
جنکو مولویصاحب نے حاشیہ* سے تعبیر کیا ہے۔ مولویصاحب نے سید صاحب کی
تقریر پر بہت طول طویل بحث کی ہے، بہت سے بہتان اور طوفان کذب
ومغالطے باندھے ہیں، اور اپنے کل ابحاث کا ماحصل خود اسطرح بیان
کیا ہے کہ ”سائیکلوپیڈیا میں منگنی کو نکاح نہیں کہا اور نہ بعد منگنی کے مباشرت
کا جواز بتایا ہے اور نہ یوسف کا مریم سے ہمبستر ہونا بیان کیا ہے بلکہ

*کوتاہ فہمی سے ممکن ہے کہ ایک ہی مقدمات سے مختلف متضاد بلکہ متناقض نتیجے
نکالے جائیں۔ پس اگر مولویصاحب نتائج صحیحہ کو حاشیئے قرار دیں تو کچھ تعجب کی
بات نہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ واقعات سے بھی انکار کرتے ہیں۔ مثلاً منگنی
کے دستور میں سید صاحب نے لکھا ہے کہ یہ اقرار یا تو ایک باقاعدہ تحریر یا معاہدہ
کے ذریعہ سے گواہوں کی موجودگی میں ہوتا تھا جسطرح کہ ہم مسلمانوں کے ہاں نکاح
خط لکھا جاتا ہے یا بغیر تحریر کے اسطرح پر ہوتا تھا کہ مرد عورت کو گواہوں کے
سامنے ایک ٹکڑا چاندی کا دیتا تھا اور یہ لفظ کہتا تھا کہ یہ چاندی کا ٹکڑا اس
امر کے کفالت میں قبول کر کہ اتنے دنوں بعد تو میری زوجہ ہو جاویگی۔

مولویصاحب نے اِس تمام بیان کو حاشیہ کہا ہے۔ اسکا سبب صرف
یہی ہے کہ بیچارہ مولانا نہ انگریزی جانتے ہیں، نہ تاریخ سے طبیعت واقفیت
حاصل ہے۔ جسکو حاشیہ کہا گیا ہے وہ نہایت بسط وتفصیل سے کتاب لائیف
اینڈ ورڈس آف کرائسٹ میں بذیل حالات یہود موجود ہے۔ مولانا صاحب
پھر غور فرماویں تو معلوم ہوگا کہ یہ حاشیہ نہیں، متن ہے۔

اِن سب باتوں کا خلاف ہے۔ آپ کے حواشی سے آپکا مطلب نکلتا ہے جن میں صداقت وحقانیت کا شائبہ بھی نہیں۔"

چونکہ یہودی مذہب کی بنیاد اور اُن کے قوانین کی بنا توریت پر ہے اِس لیے اور نیز اِس خیال سے کہ عہدنامہ منگنی میں بہ صراحت کہا جاتا تھا کہ میں مطابق شرع موسیٰ اور بنی اسرائیل کے لڑکی کو بذریعہ نکاح ۲؎ اور منگنی کے قبول کرنیکا عہد کرتا ہوں (دیکھو مضمون معاہدہ منگنی اہل یہود جو مولیصاحب نے بھی نقل کیا ہے) یہ دیکھنا ضرور ہے کہ زمانہ موسیٰ میں منگنی اور نکاح کا کیا دستور تھا۔ کیٹو سائیکلوپیڈیا میں ذیل لفظ میرج (شادی) یہودیوں کے طریقہ نسبت و نکاح کا قبل از زمانہ موسیٰ یوں ذکر کیا ہے کہ جب لڑکی کو پسند کر چکتے تھے

۲؎ سائیکلو پیڈیا کی عبارت نقل کر کر لکھتے ہیں:-

(۱) اِس عبارت میں منگنی کو صرف وعدہ نکاح کہا ہے اور اُسکا عنوان یہ بتایا ہے کہ اتنی مدت کے بعد تو میری زوجہ ہوگی۔ نہ یہ کہ اب ہی ہوگی۔ ہوگی اور ہوگئی میں صریح فرق ہے۔

(۲) منگنی کے بعد ددیت زوجہ کی جواتو کا بیان ہے۔ نہ جواز مباشرت کا۔

۲؎ چونکہ مولیصاحب کی تمام نکتہ چینی کی بنیاد منگنی او نکاح یہود میں تباین ثابت ہونے پر ہے اور معاہدہ منگنی میں منگنی کو "منگنی اور نکاح" سے تعبیر کیا ہے تو مولیصاحب نے نہایت عجیب صورت مخلصی کی نکالی۔ معاہدہ مذکورہ کا جو فقرہ نقل کیا ہے اُسکی نسبت یہ ارشاد فرمایا ہے کہ بذریعہ منگنی کے بالفعل اور بذریعہ نکاح کے آیندہ لیکن یہ تخصیص عبارت میں کہیں موجود نہیں اور نہ ہو۔ ایسی تخصیص کی کوئی وجہ یا قرینہ ہے۔ البتہ مولانا کی زبر کی طبع کا ثبوت ایسی ہو سکتا ہے۔

اور لڑکی یا لڑکی کا باپ رضامند ہو جاتے تھے اور حق نکاح یا اور کسی قسم کی خدمت ادا کر دی جاتی تھی اور شیرینی وغیرہ تقسیم ہو چکتی تھی تو دولہا دولہن کو اُسکے باپ کے گھر سے فی الفور اپنے گھر بیجانیکا مجاز تھا اور دولہن کا اس طور سے بلا کسی مقررہ رسم کے اپنے گھر لے جانا اور مباشرت کرنا ہی نکاح تھا۔"

۱۔ "شریعت موسوی نے کوئی تبدیلی ان قوانین میں نہیں کی۔ جونہی فریقین ایک دوسرے کو پسند کر چکتے تھے اور حق مہر ادا ہو جاتا تھا، یا کوئی خدمت مطلوبہ کر دیجاتی تھی، لڑکی اپنے خاوند کے منسوبہ خیال کیجاتی تھی اور خاص اُسیکی ہو جاتی تھی حقیقت میں از روئے شریعت کی وہ منکوحہ سمجھی جاتی تھی وہ اپنے خاوند مجوزہ سے بلا طلاق علیحدہ نہ ہو سکتی تھی، اور سب قوانین جو منکوحہ کی متعلق ہوتے ہیں اُسکے متعلق ہوتے تھے"

۲۔ "شریعت موسوی نے نکاح کی کوئی مذہبی یا سول رسم مقرر نہیں کی۔ وہ معاہدہ جو حق مہر کے ادا کرنیکے وقت یا اور خدمت لینے کے وقت کیا جاتا تھا اُس مضبوط رشتہ کے متحقق کرنیکے واسطے کافی تھا۔ منسوبہ لڑکی کو منکوحہ بھی کہتے تھے اور شریعت اُسکو منکوحہ سمجھتی تھی"

۱۔ سائیکلوپیڈیا کے ان حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ نے منگنی اور نکاح میں کسی قسم کا فرق نہیں رکھا، اور نہ کوئی علیحدہ رسوم واسطے

تکمیل نکاح کے مقرر کی تھی، اور بعد منگنی مباشرت جائز ہو جاتی تھی۔ پس یہ تو ہیئت یہودی شریعت کا اصل اصول ہے، لیکن ایک زمانہ کے گذرنے پر اور اور اُمت سے رسوم جنکو حقیقت میں شریعت موسوی کی بدعتیں کہنے چاہئیں یہودیوں میں پھیل گئی تھیں، اور اور قوموں کے ملنے جلنے سے یہودیوں کے بہت سے طریقہ اور عادات بدل گئے تھے؛ باایں‌ہمہ طریقہ منگنی اور نکاح میں جیسا کہ سائیکلوپیڈیا سے ظاہر ہوتا ہے چنداں فرق نہ آیا تھا۔ زمانہ جلاوطنی کے بعد منگنی اور شادی کے درمیان چند ایک ہفتہ توقف کرنا رواج ہو گیا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس خیال میں جو حضرت موسیٰ کے وقت سے چلا آتا تھا، کہ منگنی اور نکاح جدا شے نہیں، کچھ تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ کوئی حکم اِس مضمون کا کتاب اقدس میں نہیں پایا جاتا۔ پس منگنی اور نکاح حقیقت میں ایک ہی تھے، اور اسیواسطے منگنی سے جواز مباشرت کا نتیجہ نکالنا بالکل مطابق واقع ہے۔

و مستورات ملک کا اُس کے مخالف ہونا، اور منگنی کے بعد مباشرت کرنیوالیکو زجر و تنبیہ کرنا[*]، لیکن حقیقت میں اِس فعل کا شرعاً جائز ہونا ویسا ہی ہے جیسا کہ ہندوستان میں نکاح بیوگان حال ہے، جو عین شریعت کے مطابق ہے لیکن باعث بے آبروئی ہے، اور بعض بلاد کے مستورات کے برخلاف ہے۔ پس گو ہمارا یہ خیال نہیں کہ منگنی اور نکاح میں مطلق فرق نہ تھا یا دونوں

[*] جس لفظ کا ترجمہ کوڑے سے پٹنا کیا گیا ہے اُسکے معنی مطلق زجر و تنبیہ کے بھی ہیں اور غالباً وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں۔

کے علیحدہ رسوم نہ تھیں، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ منگنی کے بعد کوئی ایسی اہم رسم باقی نہ رہتی تھی جس پر جواز تمتع منحصر ہو۔ اور بدنسبت اُن کی شریعت میں کوئی امر اِس بات کا مانع نہ تھا کہ شوہر زوجہ کو اپنے گھر لیجاوے، اور اُسکو منکوحہ سمجھے۔ اگر کوئی حکم مانع اِس امر کا مولویصاحب توریت سے نکال کر ہمکو دکھلا دیں تو ہم اِن اوراق کو اپنے ہاتھوں سے چاک کر ڈالیں، اور مولویصاحب سے معافی مانگیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ کسی حال میں حکم شریعت کے مقابلہ میں ہم رسوم یہود کا اعتبار نہ کریں گے۔

۲۔ چونکہ نکاح کیوقت کوئی ضروری رسم عمل میں نہیں آتی تھی، اور منگنی ہی عین نکاح تھی، یہ ہی وجہ ہے کہ مریم کے نکاح کا انجیل میں ولادت مسیح کے بعد بھی ذکر نہیں ہوا۔ حالانکہ بطن مریم صدیقہ سے حضرت مسیح کے اور بھائی بہن بھی پیدا ہوئے۔ اس بات کا ثبوت مختلف مقامات انجیل سے ملتا ہے اِس بات میں مسیحی مذہب کے محققوں نے غایت درجہ کی داد تحقیق دی ہے اور مختلف حیثیتوں سے اس باب میں گفتگو کی ہے، لیکن اِس بات پر قریباً سب کا اتفاق ہے کہ حضرت مسیح کے بھائی بہنوں کا بطن مریم صدیقہ سے پیدا ہونا انجیل سے بصراحت تمام ثابت ہے۔ چنانچہ انجیل کے مقامات مفصلہ ذیل سے ظاہر ہے:-

(۵۵) کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں اور اُسکی ماں مریم نہیں کہلاتی اور اُس کے بھائی یعقوب۔ اور یوسی اور شمعون اور یہودا (۵۶) اور اُسکی سب بہنیں کیا ہمارے ساتھ نہیں ہیں پس یہ اُسکو کہاں سے ملا۔ (متی باب ۱۳)۔

(۳۱) اُس کے بھائی اور اُس کی ماں آئی اور باہر کھڑی ہو کے اُسے بُلوا بھیجا (۳۲) اور بھیڑ اُسکے پاس آبیٹھی تھی سو اُنھوں نے اُسے کہا دیکھ تیری ما اور تیرے بھائی باہر تجھے ڈھونڈھتے ہیں (۳۳) اور اُسنے اُنہیں جوابدیا اور کہا کون ہیں میری ماں یا میرے بھائی (۳۴) اور اُن پر جو اُسکے پاس بیٹھے تھے نظر کرکے کہا دیکھو میری ماں اور میرے بھائی (۳۵) کیونکہ جو کوئی خدا کی مرضی پر عمل کرتا ہے وہی میرا بھائی اور میری بہن اور ماں ہے۔ (مرقس باب ۳) کہا یہ مریم کا بیٹا نہیں ہیں اور یعقوب اور یوسی اور یہودا اور شمعون کا بھائی نہیں اور کیا اسکی بہنیں ہمارے پاس نہیں ہیں، (مرقس باب ۶ آیت ۳) ۔ (۲۰) اور اُسے خبر دیگئی کہ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے تجھے دیکھا چاہتے ہیں (۲۱) اور اُسنے جواب دیکے اُنکو کہا میری ماں اور میرے بھائی وے ہیں جو خدا کا کلام سُنتے ہیں اور اُسپر عمل کرتے ہیں (لوقا باب ۸)۔ بعد اُسکے وہ اور اُسکی ماں اور اُسکے بھائی اور اُسکے شاگرد کفرناحم میں گئے اور وہاں بہت دن نہ رہے (یوحنا باب ۲ آیت ۱۲)۔ (۳) اُسکے بھائیوں نے اُسکو کہا یہاں سے روانہ ہو اور یہودیہ میں جا (۵) اُسکے بھائی بھی اُسپر ایمان نہ لائے پس یسوع نے اُنہیں کہا کہ تم اس عید میں جاؤ (۱۰) جب اُسکے بھائی روانہ ہوئے وہ بھی عید میں گیا ظاہرا نہیں بلکہ چھپکے لا کے غرض کہ انجیل کے بہت مقامات سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مسیح کے اور بھائی بہنیں بھی تھیں، اور وہ بطن مریم صدیقہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ بعض عیسائی حضرت مریم کے تمام عمر بہر باکرہ رہنے کے قائل ہیں - اُنکو اس مقام پر سخت مشکل پیش آئی ہے، اور گو اُنھوں ہر چند تاویلیں کی ہیں، مگر یہ بات ایسی

صراحت سے انجیل میں بیان ہوئی ہے کہ کوئی تاویل نہیں چل سکی ۔ انکی تاویلات
کی بنیاد صرف دو توجیہوں پر ہے ۔

(۱) مسیح کے بھائیوں سے مراد اُسکے حقیقی بھائی نہیں ہیں ۔

(۲) اولاد مریم صدیقہ کے بیان میں ضرور غلطی ہوئی ہے ، کیونکہ جنکو آیات
مذکورہ بالا میں مریم صدیقہ والدہ حضرت مسیح کی اولاد بیان کیا ہے اُنکو
ہے متی باب ۲۷ آیت ۵۶ میں مریم کی بہن کی اولاد بیان کیا ہے ۔

توجیہہ اول کا یہ جواب ہے کہ سیاق کلام اور قرینہ مقام سے کسیطرح
احتمال بھی نہیں ہوسکتا کہ بھائی بہنوں سے مُراد مجازی بھائی بہنیں ہوں
بلکہ مسیح کا یہ کہنا کہ کون ہیں میری ماں بہن ؟ میری ماں بہن وہ ہیں جو
خدا کی مرضی پر عمل کرتے ہیں ، صاف دلیل اس بات کی ہے کہ پہلے مقام
میں ماں بہن سے حقیقی ماں بہن مُراد ہیں ۔ اگر یہ کہا جاوے کہ سب بنی آدم
ایک دوسرے کے بھائی ہیں ، تو مسیح کو اسی اُخوت سے کوئی وجہ انکار کی
نہ تھی ، اور اگر بھائی بہنوں سے مراد ایمانداروں سے ہے ، تو اُن لوگونکو
ایماندار کون کہہ سکتا تھا جو مسیح پر ایمان نہ لائے تھے ؟ علاوہ اسکے متی
باب ۱۳ آیت ۵۵ میں لوگونکا کہنا کہ کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں ، اور کیا اُس کے
ماں مریم نہیں کہلاتی ، اور اُسکے بھائی یعقوب اور یوسی اور شمعون
اور یہودا ؟ صاف بتلاتا ہے کہ الفاظ بیٹا ، ماں ، بھائی سے اُن کے
حقیقی معنی مراد ہیں ، اِس آیت میں اور اور آیات میں بالخصوص
مسیح کے بھائیوں کے نام بیان کرنے سے بھی اِن الفاظ کا حقیقی معنی ہیں

مستعمل ہونا ثابت ہوتا ہے:

توجیہہ دوم کا یہ جواب ہے کہ اِن ناموں کے بیان کرنے میں ضرور انجیل کے لکھنے والوں سے تسامح ہوا ہے، اور اس تسامح کی وجہ یہ ہے کہ مریم والدہ حضرت مسیح کی ایک اور بہن تھی، اور اُسکا نام بھی مریم تھا اور اُسکی شادی کلیافس سے ہوئی تھی جیسا کہ یوحنا باب ۱۹ آیت ۲۵ سے معلوم ہوتا ہے۔ اِن دونوں بہنوں کے ہمنام ہونے کے سبب سے، ایک کی اولاد غلطی سے دوسرے کی طرف منسوب کردیگئی ہے۔ علاوہ اِس کے مسیح کے حقیقی بھائی بہن، مسیح سے خوش نہ تھے، اور اُسپر ایمان نہ لائے تھے، لیکن مریم و کلیافس کے بیٹے ہر وقت مسیح کے ساتھ رہتے تھے: اس سبب سے انجیل کے لکھنے والوں کو اشتباہ پڑ گیا! رنسٹ رینن صاحب نے، جو ایک فرانسیسی محقق ہیں، اِس مشکل کو اِسطرح حل کیا ہے:-

یہ چار آدمی جو کہ انجیل متی باب ۱۳ آیت ۵۵ میں اور مرقس باب ۶ آیت ۳ میں بیان ہوئے ہیں، پھر دوسرے مقام میں مریم اور کلیافس کی بیٹی شمار ہوئی ہیں یہ مشکل اس بات کے سمجھنے سے رفع ہوتی ہے کہ اِن دو ہمنام بہنوں (مریم) کے تین تین چار چار لڑکے ایکہی نام کے تھے۔ مسیح کے حقیقی بھائی پہلے اُسے عداوت رکھتے تھے۔ جب انجیل کے لکھنے والوں نے کلیافس کے لڑکونکو ہر وقت مسیح کے ساتھ دیکھا اور اُنکا بھائی کہلاتے سُنا تو غلطی سے بعض مقامات میں حقیقی بھائیوں کے نام کی جگہ اُنکا نام لکھدیا۔ حضرت مسیح کے حقیقی بھائی اپنی والدہ کیطرح اُن کی وفات کے بعد مشہور ہوئے، لیکن

پھر بھی انکو اسقدر شہرت حاصل نہ ہوئی جیسی کہ اُن کے خالہ زاد بھائیوں کو ہوئی تھی۔ حضرت مسیح کی بہنیں ناصرہ میں بیاہی گئیں تھیں، اور حضرت مسیح نے اپنی ابتدائے جوانی کے دن وہاں ہی بسر کیے۔

(از سوانح عمری مسیح مُصنّفہ ارنسٹ رینن مطبوعہ لندن صفحہ ۴۹)

غرضکہ گو حضرت مسیح کے بھائیوں کے ناموں کے بیان کرنے میں، جو غلطی ہوئی ہے اُسپر مُحقّقانِ مذہبِ عیسوی نے بہت کچھ نکتہ چینیاں کی ہوں، مگر اتنی بات سب نے مانی ہے کہ مسیح کے حقیقی بھائی اور بہنیں مریم صدیقہ کے بطن سے تھیں۔ چنانچہ سائیکلوپیڈیا برطانی کا کہ مصنف نے بھی وہ ہی فیصلہ کیا ہے جو ہمنے بیان کیا۔ وہ مصنف اپنی اس مشہور سائیکلوپیڈیا کی جلد چہاردھم میں بذیل لفظ مریم لکھتا ہے کہ انجیل سے بہر طور ثابت ہے کہ مسیح کے حقیقی بھائی بہنیں بطن مریم صدیقہ سے تھیں۔

اور اس بات کو مانتے ہیں بجز اُن لوگوں کے جو مریم صدیقہ کے بکارت دائمی کے قائل ہیں، کسیکو کچھ مشکل معلوم نہیں ہوتی۔ پھر مصنف مذکور لکھتا ہے کہ اگر سب اعتراضوں کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو بھی متی باب ۱ آیت ۲۴-۲۵ کا کیا جواب ہوگا جہاں لکھا ہے کہ یوسف اپنی جورو کو اپنے پاس لے آیا اور اُسکو نہ جانا جب تک وہ اپنا پہلوٹا بیٹا نہ جنی۔ اسیطرح انجیل لوقا باب ۲ آیت ۷ میں لکھا کہ اُسکے جننے کے دن پورے ہوئے اور وہ اپنا پہلوٹا بیٹا جنی۔ پس اگر حواریوں کو یہ یقین نہ ہوتا کہ مسیح کے اور چھوٹے

[illegible]

بھی اڈنسٹ رینن صاحب اور ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے۔ غرضکہ ہر طرح مسیح کے بھائی بہنوں کا بطن مریم صدیقہ سے پیدا ہونا، انجیل سے ثابت ہے، اور عموماً کُتب مسیح اور پادری اس زمانہ کے اُسکو تسلیم کرتے ہیں۔

اب ہمارا سوال یہ ہے، کہ باوجود اِسکے کہ مریم صدیقہ سے اسقدر اولاد پیدا ہوئی اور وہ سب اُنکی اولادِ جائز تصور ہوتی ہے، اور نیز کوئی اُن میں سے بطور معجزہ مولود نہیں مانا جاتا، تو کیا وجہ ہے کہ مسیح کی ولادت کو بطور اعجاز مانا جاوے؟ اور اگر حضرت مسیح قبل از نکاح مریم صدیقہ پیدا ہوئی تھی، تو کیوں تشریح اس بات کی نہیں ہوئی، کہ اتنی مدت بعد از ولادت مسیح نکاح ہوا، اور باقی اولاد بعد از نکاح ہوئی؟ اِسکا کوئی جواب بجز اِسکے نہیں کہ منگنی حقیقت میں نکاح ہی کے برابر ہے، اور بعد منگنی کوئی ایسا امر باقی نہ رہتا تھا جسپر جواز تزوج منحصر ہو، اسیواسطے انجیل میں کہیں مریم کے نکاح کا بعد ولادت حضرت مسیح ذکر نہیں ہوا۔ پس یا تو اب یہ یقین کرنا چاہئیے کہ یہ سب اولاد بطور اعجاز یا اظہار کمال قدرت جل شانہٗ محض خدا تعالےٰ کے حکم سے، بلا باپ بطور مسیح پیدا ہوئے تھے، یا اگر یہ اولاد بطور معمول پیدا ہوئے تھے، تو حضرت مسیح بھی، جو اُن کیطرح ہی پیدا ہوئے تھے بطور اعجاز مولود نہ ہوئے تھے۔ حقیقت میں حضرت مسیح کے اور بھائی بہنوں کا ہونا بہت ہی کم مسلمانوں کو معلوم ہے، اور یہی باعث ہے کہ بعض آدمی اتنی بات بھی سُننا گوارا نہیں کر سکتے، کہ یوسف نجار مریم صدیقہ کا شوہر تھا۔ اِس تعجب کی صرف یہی وجہ ہے کہ اُن کو کتاب مُقدس و تواریخ سے آگاہی نہیں، اور کتب اُمم و انبیا سابقہ کو منسوخ ماننے سے اُسکے مطالعہ کو یہاں تک معصیت جانتے

ہیں، کہ اُن قصص سے بھی آگاہی حاصل نہیں کرتے، جو قرآن مجید میں بالاجمال بیان ہوئی ہیں، اور جنکی تفصیل میں ہماری تفسیروں میں بجائے حقیقت واقعی بیان کرنیکے، جھوٹے عجائب وغرائب بیان کئے ہیں۔

(۳) ایک اور ثبوت اس بات کا، کہ منگنی اور نکاح حقیقت میں ایک ہے، انجیل کی یہ آیت ہے کہ مریم کی یوسف کے ساتھ منگنی ہوئی تھی، اُن کے اکٹھے آنے سے پیشتر وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی متی باب ۱ آ ۱۹

اب اگر اس آیت میں منگنی سے مراد محض منگنی ہے (جسکا کہ ہمارے ملک میں رواج ہے اور جو نکاح سے جدا شے ہے) اور مباشرت قبل از نکاح جائز نہ تھی، تو اس حالت میں دفع خیال ہمبستری کے کیا معنی؟ کیونکہ منگنی نہ ہو جانیکے بعد تو مولویصاحب کے نزدیک بھی مباشرت جائز نہ ہو جاتی تھی۔ اِس صورت میں متی کو یہ کہنا مناسب تھا کہ مریم کی یوسف سے منگنی ہوئی تھی، مگر نکاح سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔

اگر منسوبہ سے مُراد منکوحہ ہے، تو فہو المراد، یہی ہمارا عین مدعا ہے۔ اگر شریعت موسوی کے کچھ بھی تعظیم کیجاوے، اور اُس کو یہود کی رسم و رواج سے عالی تر سمجھا جاوے، تو کچھ بھی شک اِس بات میں نہیں رہتا، کہ منگنی اور نکاح میں کچھ فرق حقیقی نہ تھا مشکل یہ ہے کہ منگنی کے لفظ سے، لوگوں کے دلوں میں اپنے ملک کے سی منگنی کا خیال فوراً آجاتا ہے۔ لیکن جب معلوم ہو کہ اُس زمانہ میں منگنی کا کیا طریقہ تھا، تو سب شک رفع ہو جاتے ہیں۔ اسباب کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ حقیقت میں نکاح کیا ہوتا ہے، اور وہ

کب متحقق ہوتا ہے، اور وہ کیا بات ہوتی ہے، جو نکاح سے پہلے نہیں ہوتی، اور نکاح کے بعد آجاتی ہے، جیسے مباشرت جائز ہو جاتی ہے؟ وہ بات صرف ایک ہے، یعنی مرد اور عورت کا برضامندی طرفین ایک دوسرے کو اپنے لئے خاص کر لینا، اور اُس تعلق کے قائم رکھنے کا ایک مضبوط عہد کرنا۔ پس یہودیوں کی منگنی عین نکاح تھا جنمیں ایجاب و قبول دولہن کے پسند کرنے کے وقت ہی ہو جاتی تھی، اور نیز وہ عورت بلا طلاق کے خاوند سے جُدا نہیں ہو سکتی تھی (دیکھو کیٹو ز سائیکلو پیڈیا)۔

ہمارے ملک کی منگنی اس قسم کی منگنی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے ملک کی منگنی کو کسی ایسے طریقہ میں بدل دیں جسمیں ایجاب و قبول اور اُس کی حفاظت و قیام کا مضبوط عہد ہو جاوے، اور عورت کا بلا طلاق جُدا ہونا نیز ناجائز قرار پاوے تو ظاہر ہے کہ وہ طریقہ نکاح ہی بن جاویگا، گو اُسکا نام نسبت ہی رہے۔

(ب) اگر بطریق تنزل مان بھی لیا جاوے کہ منگنی اور نکاح دو جُدا شئے تھیں اور اُن میں نوعی تباین تھا، تب بھی اِس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ منجملہ اُن طرق کے، جن سے منگنی کا تحقق ہوتا تھا، اُنکی شریعت میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ شوہر اور زوجہ باہم مباشرت کریں، چنانچہ کیٹو صاحب کے سائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ منگنی کی شرعاً جائز ہونیکے لئے ضرور تھا کہ طرق ثلاثہ میں سے ایک پر عمل کیا جاوے (۱) مال یا مالی چیز حق منگنی لڑکی یا (اگر وہ نابالغ ہو) اُسکے باپ کو دیا جاتا (۲) خط یا معاہدہ

تحریری لڑکی یا اُس کے باپ کو مرد دیتا (۳) مباشرت جبکہ مرد اور عورت دو گواہوں کے سامنے نسبت کا کلمہ کہکر خلوت میں چلا جاتا تھا مگر یہ معیوب گنا جاتا تھا اور مرد کو زجر و تنبیہ کیجاتی تھی"۔ اس عبارت سائیکلوپیڈیا سے وضاحت ثابت ہے کہ مباشرت، نسبت کے شرعی ہونیکے لئے شرط تھی، یعنی اسکے بغیر منگنی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ گو بعد ازآن تا نکاح باہم شوہر و زوجہ کا ملنا ممکن نہو۔ مولویصاحب نے عبارت سائیکلوپیڈیا مذکورہ بالا کے معنی اختراع کرنے میں بہت علمیت صرف کی، اور تیزی طبع دکھلائی ہے؛ مگر افسوس کہ وہ درست نہیں۔ مولویصاحب کی تقریر بعینہ ذیل ہے:-

"اِن طرق کے عمل میں لانے سے ہر وہ شرعاً اُسکی منسوبہ ہوجاتی ہے اور وہ منگنی شرعی* ہو جانے پر منجملہ اِن طرق کے طریق سوم کو بیجائی قرار دینا اور اُس کے ارتکاب پر تعزیر لگانا صاف بتاتا ہے کہ یہ امر اُن کی شریعت میں ناجائز تھا اگرچہ اُسسے منگنی کا ثبوت ہوجاتا۔ اُسکی نظیر اسلامی احکام میں یہ ہے کہ اگر کوئی کسیکی قیمتی چیز بلا اجازت چوری یا غصب سے تصرف میں لاوے تو اگرچہ یہ فعل اسکا شرعاً ناجائز ہے مگر اِس فعل سے عوض و تاوان دلانیکا حکم ثابت ہوجاتا ہے"

مولویصاحب نے اِس تمام عبارت میں مغالطہ سے کام لیا ہے، اور اُن کی دلیل میں صداقت و حقانیت کی بو نہیں۔ اِس نظیر کو امر متنازع فیہ سے

* حاشیہ شرعی منگنی کے معنی ہماری دانست میں نکاح ہی کے ہیں کیونکہ شرع میں منگنی کچھ شے نہیں خطبہ صرف درخواست کرنیکو کہتے ہیں اور شرع میں اُسکے لئے کوئی رسم نہیں ہوتی اسلئے منگنی شرعی ہونے سے اُنکا صد نکاح کو معنی مراد ہے۔

کچھ بھی مشابہت یا مناسبت نہیں ہے، اور ہم اُسکا دو طرح جواب دیتے ہیں۔

۱۔ غصب، سرقہ، زنا وغیرہ سے حکم شرعی، حد جاری کرنیکا ثابت ہوجاتا ہے یا نہیں، ہماری بحث اس سے نہیں ہے۔ امر متنازع فیہ تو یہ ہے کہ آیا افعال ناجائز شرع کے رو سے مامور بہ بھی ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ اسلامی احکام میں سے کوئی ایسا حکم نکالکر بتلادیں جسمیں غصب، چوری وغیرہ مامور بہ اور کسی فعل کی شرعی ہونیکی شرط قرار دئے گئے ہوں، تو ہم بیشک اقرار کرینگے کہ منگنی کے ثبوت کے لیے جو مباشرت شرط قرار دیگئی ہے، اُسکا بھی یہی حال ہے۔ مگر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو امور منہی عنہ ہوں وہ کس طرح مامور بہ ہوسکتے ہیں؟

مولویصاحب کا باوجود اسقدر دعوی علمیت کے اس بڑی بھاری غلطی کا مرتکب ہونا سخت حیرت انگیز ہے!! معمولی عقل کا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب منگنی کے متحقق ہونیکے لئے، یہ ایک لازمی اور ضروری امر ہے کہ منسوبہ سے مباشرت کیجاوے، تو پھر یہ مباشرت باوجود شرعاً مامور بہ ہونیکے کسطرح ناجائز قرار پاسکتی ہے گو بعض آدمیوں کے نزدیک معیوب بھی سمجھی جاوے۔

(۲) اگر مباشرت حالت نسبت میں شریعت یہود میں ناجائز ہوتی، جیسا کہ مولویصاحب کا خیال ہے تو وہ زنا متصور ہوتے، اور اسواسطے اُسکے لئے شرعی سزا تجویز ہوتی جسکو یہود کی کتب مذہبی سے ذرا بھی واقفیت ہوگی وہ جان لیگا کہ شریعت یہود میں حالت نسبت میں زنا کی سزا یہ ہے کہ زان اور زانیہ کو سنگسار کیا جاوے نہ یہ کہ لوگ لعنت ملامت کریں، یا (بقول مولویصاحب) کوڑے

لگا دیں۔ اِسے بھی ثابت ہوا کہ اِس قسم کی مباشرت کو معیوب گننا صرف رواج قوم کے باعث تھا، اور جو طعن و ملامت اُسکے مرتکب کو ہوتے تھے وہ سزاء شرعی نہ تھی۔

پس قطع نظر ازیں کہ منگنی اور نکاح حقیقت میں ایک تھے یا علیحدہ، اتنی بات تو بہر صورت ثابت ہے کہ منگنی کے وقت کم از کم ایک دفعہ شوہر و زوجہ کو موقعہ خلوت کا ملتا تھا، پس اگر انکو تا وقت رسم نکاح، اجازت مباشرت کی نہ بھی ہو، تب بھی یہ بات ہر ایکطرح سے خیال میں آسکتی ہے کہ بوقت منگنی مریم صدیقہ یوسف سے حاملہ ہوئیں۔ اس بات کی تائید انجیل متی سے بھی ہوتی ہے، جہاں لکھا ہے کہ ابھی وہ اکٹھے٭ نہ آئی تھے" یعنی ابھی یوسف مریم صدیقہ کو اپنے گھر نہیں لایا تھا کہ وہ حاملہ پائی گئی۔ یہی آیت انجیل کے وہ مقام ہے، جسپر مولویصاحب نے سید صاحب کو سخنان ناگفتنی و شنیدنی کہکر اپنی عاقبت سنوار رہی ہے، اور الفاظ کے خورد و برد کرنیکا الزام اُن پر لگایا ہے، حالانکہ قبل ہم بستر ہونیکے الفاظ (جنکے خورد برد کرنیکا دعوی کیا ہے) کسی انجیل میں نہیں ہیں۔ ہمنے کلکتہ، الہ آباد، لودہیانہ، مرزاپور ولایت کی چھپی ہوئی انجیلیں دیکھیں، مگر اُن میں بجز اکٹھی آنی یا اکٹھی

٭حاشیہ اکٹھے آنیکے معنے ہماری سمجھ میں وہی ہیں، جو ہمنے بیان کیا لیکن اگر اکٹھا آنا کنایۃً ہمبستر ہونے سے ہے تب بھی آیت کا یہ مطلب ہو گا کہ ابھی بعد نکاح مباشرت کی نوبت نہ آئی تھی کہ مریم صدیقہ حاملہ پائی گئیں، کیونکہ وہ موقعہ نسبت سے ہے حاملہ ہو گئی تھیں۔

ہونے سے اور کچھ نہیں لکھا - انجیل کی عبارت کا جیساکہ ہمنے ابھی
بیان کیا صرف یہ مطلب ہے کہ یوسف و مریم ابھی تک بطور شوہر و زوجہ یکجا آکر بسے
تھے کہ مریم صدیقہ حاملہ پائی گئیں - اکٹھے آنیکے لئے یونانی میں دو لفظ ہیں سو
اور الثائن - سو کے معنے ہیں اکٹھا یا باہم۔ اور الثائن کے معنی ہیں آنا یا جانا پس
معنی آیت کے وہ ہیں جو ہمنے بیان کئے۔ اگر مولویصاحب نے خود یہ معنی تراشے ہیں، یا
کسی نسخہ انجیل میں قبل ہمبستر کے الفاظ ملے، تو یہ کوئی موقعہ اس بات کے شیخی بگھارنیکا
نہ تھا کہ "انجیل صاحب نے بعض الفاظ گھٹا بڑھا کر لئے اور کذب مغالطہ سے کام لیا"
جس موقع پہ سید صاحب نے اس آیت کا مضمون نقل کیا ہے، وہاں غرض صرف یہ
تھی کہ یوسف نے اول ارادہ اپنی بیوی کو چھوڑ دینے کا کیا تھا، مگر پھر یہ خیال دل سے
دور کر دیا۔ جن چند الفاظ سے یہ غرض حاصل ہو سکتی تھی وہ انہوں نے بیان کر دئے
اور اس عبارت پر کاماز نہیں لگائی کہ اسی بعینہ عبارت انجیل مقصود ہو۔ پھر کسطرح
سے اُن پر الزام حذف الفاظ لگ سکتا ہے!! حالانکہ وہ الفاظ جو انہوں نے نہیں لکھے
وہ اُن کے مدعا کے عین موافق و مؤید تھے۔

ہمارے ان ابحاث سے جو یہانتک لکھے گئے ہیں امور مفصلہ ذیل پایہ
ثبوت کو پہنچے :-

(۱) شریعت موسی میں جسکے مطابق نسبت ہوتی تھی نکاح کے لئے علاوہ از منگنی
کوئی رسم مقرر نہ تھی، اور منگنی میں وہ سب باتیں موجود تھیں جنسے نکاح متحقق ہوتا
ہے، پس منگنی اور نکاح میں کچھ فرق نہ تھا۔

(۲) شاید مختلف شہروں کے دستورات کے موافق شوہر و زوجہ کا ملاقات کرنا معیوب

گناجاتا ہو لیکن شریعت میں کوئی ممانعت نہ تھی۔

(۳) منگنی تب جائز ہوتی تھی، جب طرق ثلاثہ پر عمل کیا جاتا تھا، منجملہ اُن کے ایک یہ بات تھی کہ مباشرت کریں۔

(۴) مریم صدیقہ و عفیفہ بھی ایسے وقت حاملہ ہوئیں، کیونکہ وہ یوسف کے گھر آنے سے پہلے حاملہ تھیں۔

ہماری پہلی تقریروں پر ممکن ہے کہ دو شبہہ پیش کئے جاویں، اور اس لئے وہ شبہات، اور معترضوں کے غلط فہمی بھی بیان کر دی جاوے کہ کتاب مقدس کے مطالب سمجھنے میں کوئی مشکل و دقت باقی نہ رہے۔

شبہ اول یشعیاہ نبی کی کتاب کے باب ہفتم کی مفصلہ ذیل آیات کا کیا مطلب ہے؟

(۱۱) خداوند آحاز را فرمود کہ از خداوند خدائے خود آیتے طلب کن یا از حضیض یا از اوج فلک۔

(۱۲) واحاز گفت کہ تیسطلبم و خداوند را امتحان نمیکنم۔

(۱۳) او گفت بشنوید اے خاندان داؤد تکلیف انسان نزد شما ادنیٰ مرتبہ است بلکہ ارادہ تکلیف خدائے من نیز دارید۔

(۱۴) بنابراں خداوند خود آیتے بشما میدہد کہ اینک باکرہ آبستن شدہ پسرے خواہد زائید و نامِ وے را عمانوئیل خواہی خواند۔

شبہ دوم اگر حواری حضرت مسیح کی ولادت کو بطور اعجاز تسلیم نہیں کرتے تھے تو انجیل متی باب ۱ آیت ۲۱-۲۲ کے کیا معنی جہاں لکھا ہے پس یہ سب ہوا تاکہ جو

خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو (۲۲) کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اُسکا نام عمانوئیل رکھیں گے"۔

مجھے پختہ یقین ہے کہ کتاب یشعیاہ کی عبارت مذکورہ بالا کسی طرح ولادت مسیح کی پیشگوئی قرار نہیں پا سکتی، اور نہ کسی طور سے اُن پر صادق آسکتی ہے۔

یشعیاہ نبی کی کتاب سے، جیساکہ تواریخ قدیمہ میں بھی مذکور ہے، پایا جاتا ہے کہ فقح بادشاہ اسرائیل اور رضین بادشاہ سیریا نے احاز بادشاہ یہودیہ پہ فوج کشی کی تھی۔ احاز اس خبر کے سُننے اور اپنے ملک کی خرابیوں اور ابتریوں کے دیکھنے سے نہایت مغموم تھا۔ خدا تعالےٰ نے یشعیاہ نبی کو احاز کی تسلی کیواسطے بھیجا، اور یشعیاہ نبی نے اُس حالت غم میں اُسکو بہت تسلی، حوصلہ۔ استقلال کرنے کی نصیحت دی اور بعض حالات پر نظر کر کر کہا کہ تیرے دشمن تجھپر ہرگز کامیاب نہ ہونگے، اور زیادہ تر ثبوت کے واسطے وہ پیشگوئی بیان کی، جو اوپر بیان ہوئی۔ یہ لڑکا جسکے پیدا ہونیکی نبی نے خبر دی تھی، اُنہیں دنوں میں پیدا ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مسیح کے پیدا ہونے سے احاز کو کیا فائدہ تھا اور وہ موقعہ بشارت ولادت مسیح کا کیا تھا؟

۱- یشعیاہ نبی ہی کی کتاب کے باب ہشتم و نہم کو اگر ملاحظہ کیا جاوے تو معلوم ہو جاویگا کہ وہ لڑکا اُنہیں دنوں میں پیدا ہوگیا تھا، چنانچہ لکھا ہے کہ "و بابنیہ نزدیکی کردم کہ او حاملہ شدہ پسر یرا زائید (باب ۸ آیت ۳) اور نیز لکھا ہے "و ہمہ سلاح پہلوانان در ہنگامہ رزم و لباسہائے غریق خون سوختہ لقمۂ آتش گردید زیرا کہ برائے ما طفلے زائیدہ شد و فرزندے بما بخشیدہ شد

کہ حکمرانی بردوشش اوخواہد بود ..... افزائش حکمرانی وسلامت بے انتہاست بر تخت داؤد و بر سلطنتش تا آنرا با انصاف و نیکوکاری از حال تا بابد الآباد مقرر و پائدار نماید وغیرہ (باب ۹ ۶-۷) پس حضرت مسیح کسی طرح مصداق اس بشارت کے نہیں ہوسکتے۔

۲- علاوہ ازیں حضرت مسیح کا نام عمانوئیل نہیں رکھا گیا، جیسا کہ بشارت میں مندرج ہے اور نہ ہی کوئی اور ایسا نام رکھا گیا جو عمانوئیل کا ہم معنی ہو۔ اسلئے یہ بشارت ولادت مسیح کی نہیں ہے

۳- اس پیشگوئی میں جو لفظ عبرانی علماہ آیا ہے اور جسکے معنی باکرہ کئے گئے ہیں، اُس لفظ کے معنی یہ نہیں ہیں؛ بلکہ عبرانی زبان میں علماہ کے معنی مطلق زن نوجوان و نوکتخدا ہیں۔ پروفیسر روبنسن صاحب کی بھی یہی رائے ہے کہ علماہ دولہن یا اُس عورت کو کہتے ہیں جسکی نئی شادی ہوئی ہو اور اس قول کے ثبوت میں یونانی زبان کا ھومر کا ایک شعر نقل کیا ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ آیات مذکورہ بالا میں علماہ سے نبی کی نوجوان زوجہ کی طرف اشارہ ہے۔

علماء مسیحی اس بات سے ناواقف نہیں کہ علماہ کے معنی زن نوجوان ہیں، لیکن وہ عیسائی ہونیکی حالت میں متی کی تحریر پر بھی شک نہیں کرسکتے، اور اسواسطے اُنکو اس بشارت اور متی کی انجیل میں مطابقت کرنیکی مشکل پیش آئی ہے؛ بعض کا یہ خیال ہے کہ چونکہ مسیح مریم باکرہ سے پیدا ہوئے تھے، اسواسطے زن نوجوان سے بطریق اولی پیدا ہوئے، اور وہ بشارت جسمیں اُنکا بظاہر زن نوجوان سے پیدا ہونا بیان ہوا ہے، اور

بدلالۂ بعینہ باکرہ سے بھی مفہوم ہوتا ہے، نہایت کامل طور سے پوری ہوئی
ہے ہر قسم کا شک و شبہہ رفع ہو گیا۔ لیکن یہ سب رائیں اُسی غلط خیال پر
مبنی ہیں کہ مسیح حقیقت میں باکرہ سے پیدا ہوئے تھے، لیکن اسطور سے
استدلال کرنا اور مسیح کی ولادت کو خلاف عادت اول فرض کر کر پہر یشعیاہ
نبی کی بشارت سے مطابقت کی کوشش کرنا بالکل دیانتداری کے
برخلاف ہے، اور کہانت بعد الوقوع سے زیادہ رتبہ نہیں رکھتا۔

(۴) جیساکہ ہمنے اپنے مقدمہ میں بیان کیا ہے، یہ ایک مثال منجملہ اُن مثالوں
کے ہے جن سے انجیل کے لکھنے والوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ
ہماری پہلی تقریرات سے بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ یشعیاہ نبی کی کتاب کی
عبارت کسیطرح حضرت مسیح کی بشارت نہیں ہوسکتی۔ متی نے بشارات
کے باب میں خصوصاً دہوکہ کہایا ہی، چنانچہ باب ۲ آیت ۲۳ میں لکہا ہے کہ (یوسف مع مسیح) ناصرہ
نام ایک شہر میں آبسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تہا کہ وُہ ناصری کہلائیگا پورا ہووے، حالانکہ
کسی نبی نے عہد عتیق میں یہ پیشگوئی نہیں کی، اور متی سے ضرور یہاں سہو ہوا ہے۔

اِن سب ناکام کوششوں کے بعد مولویصاحب نے آخر ایک دعا یہودیونکی
نقل کی ہے، جسمیں اس عبارت سے تمسک کیا ہے کہ "وہ پاک ہے تو اللہ تبارک میں
عورتیں جو حرام ہیں۔ حرام کی منگنی والیاں"۔ اِس دعا کے نقل کرنے سے یہ
نتیجہ نکالا ہے کہ منسوبہ سے مباشرت حرام تہی، یہانتک کہ یہودیوں کے ادعیۂ
روزمرہ میں بھی اُسکا ذکر ہے۔ اِس دعا سے حقیقت میں سراسر ہمارے
خیال کی تائید ہوتی ہے، لیکن مولویصاحب نے اس سیدہے سادے

مضمون کو بھی توڑ مڑور کر اپنے اقوال کی تائید میں نقل کیا ہے اسکا جواب بھی ہم دو طرح دیتے ہیں۔

(۱) گذشتہ ابحاث میں ہم بخوبی ثابت کر چکے ہیں کہ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ بحالت نسبت شوہر و زوجہ مباشرت کے مجاز نہ تھے، لیکن اسکا کچھ جواب نہیں ہو سکتا کہ منگنی کیوقت ایک دفعہ خلوت کرنی، منگنی کے جائز ہونے کے لئے شرط تھی اور اس موقعہ پر عورت کا حاملہ ہو جانا کچھ بھی تعجب کی بات نہیں، اس لئے دعا مذکورہ بالا یہود ہمارے مطلب کے منافی نہیں۔

(۲) دعا مذکورہ بالا میں منگنی والیاں سے منسوبات غیر مراد ہیں یعنی ہم پہ منسوبات غیر حرام کر دیں۔ اس کے نظیر اسلامی احکام میں یہ ہے جو کتب احادیث میں بہ تفصیل موجود ہے حدثنا مکی ابن ابراہیم قال حدثنا ابن جریج قال سمعت نافعا ابن عمر کان یقول النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ... لا یخطب الرجل علی خطبۃ اخیہ حتی یترک الخاطب قبلہ او یاذن لہ الخاطب۔ اس حدیث شریف اور دعا کا ایک ہی مطلب ہے اور دونوں میں منسوبات غیر سے نکاح کرنا منع کیا گیا ہے۔ اسیطرح قرآن مجید میں سورۂ نساء میں بیان ہوا ہے کہ حرمت علیکم امہاتکم ... والمحصنت من النساء یعنی تم پر منکوحہ عورتیں حرام ہوئیں۔ اس آیت کے یہ معنی نہیں جیسا مولویصاحب نے دعا کے معنی سمجھے ہیں کہ تمکو اپنی منکوحہ حرام ہیں۔ جسطرح اس آیت میں منکوحہ سے مراد منکوحہ غیر سے ہے، ویسی ہی دعا یہود میں منسوبہ سے مراد منسوبہ غیر سے ہے۔ لیکن چونکہ یہودیوں میں منکوحہ اور منسوبہ

میں کوئی حقیقی فرق نہ تھا اس لئے منسوبہ غیر کو کبھی حرام قرار دیا، جیسے ہمارے گذشتہ ابحاث کے اور تائید ہوتی ہے۔

ہماری بحث ولادت مسیح جو انجیل سے متعلق تھی ختم ہوئی، اور ہم یہ بات بیان کر دینا مناسب جانتے ہیں کہ جو بات حقیقت میں ہوئی ہے وہ صحیح ہے خواہ انجیل میں لکھی ہو یا نہ۔ ہم جو انجیل سے بار بار حوالہ دیتے ہیں سو اس خیال سے کہ لوگوں کو جو تقلید کے پابند ہیں، اطمینان تام ہو جاوے، نہ اس نظر سے کہ انجیل کی تائید سے کچھ سچائی زیادہ بڑھ جائیگی۔ نیچر اور عقل اور تجربہ بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ انسان بغیر باپ کے پیدا نہیں ہو سکتا، اور قرآن مجید حضرت مسیح کو انسان بتلا رہا ہے، اور انکو روح القدس سے موید کہتا ہے، تو انکے باپ سے پیدا ہونے میں اور مولود جائز ہونے میں شک کرنا فضول ہے۔

دنیا میں انسان دو طرح پیدا ہوتے ہیں، یا بطور جائز یا بطور ناجائز کوئی تیسری شق موجود نہیں ہے۔ اب جس شق کو تمہارا دین و ایمان، اور حضرت مسیح کی بزرگی و عظمت، اور انکے ام صدیقہ کی عفت و عصمت، اجازت دے تم انکی طرف منسوب کرو۔ لیکن اگر یہ کوشش کیجاوے کہ پہلی شق سے انکار ہو، اور دوسری شق انکی طرف منسوب نہ کیجاوے، بلکہ کوئی تیسری شق ثابت کیجاوے تو یہ کوشش بیفائدہ ہے اور قیامت تک ثابت نہ ہو سکیگی فقط

بحث نقلی از قرآن مجید

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اُن تمام آیات قرآنی کو جو ولادت مسیح سے متعلق ہیں یہاں نقل کردیں تاکہ آیندہ ابحاث میں سب مطالب پیش نظر رہیں :-

سورۂ مریم

(۱۶) واذکر فی الکتاب مریم اذا نتبذت من اہلہا مکانا شرقیا

(۱۷) فاتخذت من دونہم حجابا فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لہا بشرا سویا

(۱۸) قالت انی اعوذ بالرحمٰن منک ان کنت تقیا

(۱۹) قال انما انا رسول ربک لاہب لک غلاما زکیا

(۲۰) قال انی یکون لی ولدا ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا

(۲۱) قال کذلک قال ربک ہو علی ہین ولنجعلہ آیتہ للناس ورحمتہ منا کان امرا مقضیا

(۱۶) اور کتاب میں مریم کا ذکر کر - جب وہ اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں علیحدہ ہوئے -

(۱۷) پھر اُن سے پردہ کرلیا - پس ہمنے اُسکی طرف ہمنے اپنی روح بھیجی جو اُسکو ہوبہو آدمی (کے تمام) دیا

(۱۸) بولی کہ مجھکو تجھسے خدا کی پناہ ، اگر تو خدا سے ڈرتا ہے -

(۱۹) (صورۃ متمثلہ سے) آواز آئی کہ میں تو خدا کیطرف سے فرستادہ ہوں کہ تجھے ایک پاک لڑکے کی بشارت دوں -

(۲۰) مریم بولی کہ میرے کسطرح ہوگا کہ مجھکو آدمی نے نہیں چھوا اور میں بدکار نہیں -

(۲۱) (صورۃ متمثلہ نے) کہا تیرے رب نے فرمایا ہے کہ وہ مجھپر آسان ہے - ہم اُسکو آدمیوں کے لئے نشانی بناوینگے اور ہماری طرف سے وہ رحمت ہوگا اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے ۔

آیات متضمن حمل مریمؑ

(۲۲) فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیا۔

(۲۳) فاجاء المخاض الی جزع النخلۃ قالت یلیتنی مت قبل ہذا وکنت نسیا منسیا۔

(۲۴) فنادٰہا من تحتہا الا تحزنی قد جعل ربک تحتک سریا۔

(۲۵) وہزی الیک بجزع النخلۃ تسقط علیک رطبا جنیا۔

(۲۶) فکلی واشربی وقری عینا فاما ترین من البشر احدا فقولی انی نذرت للرحمٰن صوما فلن اکلم الیوم انسیا۔

مکالمہ حضرت مسیح وکفار

(۲۷) فاتت بہ قومہا تحملہ قالوا یا مریم لقد جئت شیئا فریا۔

(۲۸) یا اخت ہارون ما کان ابوک امرء سوء وما کانت امک بغیا۔

---

(۲۲) پھر وہ اُسے حاملہ ہوئی پھر اُسکو پیٹ میں لئے ایک دور مقام کو کنارے ہوئی

(۲۳) پھر درد زہ اُسکو ایک کھجور کی جڑ میں لایا۔ بولی کاش میں اِسّے پہلے مرچکی ہوتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی۔

(۲۴) پس اُسکے نیچے سے آواز دی کہ غم مت کھا کہ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ کر دیا ہے۔

(۲۵) اور اپنی طرف کھجور کی جڑ ہلا اُسّے تجھپر پکّی کھجوریں گرینگی۔

(۲۶) کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ۔ سو کبھی تُو کوئی آدمی دیکھے تو کہیو کہ مینے رحمٰن کا ایک روزہ مانا ہے سو آج کسی آدمی سے بات نہ کرونگی۔

(۲۷) پھر اسکو اپنے لوگوں کے پاس لائی۔ اوسے باتیں کرتی (آتی) تھی۔ بولی اے مریم تو عجیب شے لائی۔

(۲۸) اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بُرا آدمی نتھا نہ تیری ماں (احکام شریعت سے) سرکش تھی

(۲۹) فاشارت الیہ قالوا کیف نکلم من کان فی المهد صبیا ۔

(۳۰) قال انی عبد اللہ آتنی الکتاب وجعلنی نبیا ۔

(۳۱) وجعلنی مبرکا این ماکنت واوصنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا ۔

(۳۲) برا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا ۔

(۳۳) والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا ۔

(۳۴) ذلک عیسیٰ ابن مریم ۔

(۱۶۹) انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القہا الی مریم وروح منہ (نساء)

اِن آیات میں مریم صدیقہ کی زندگی کے تین مختلف واقعات کا ذکر ہے اور وہ واقعات ایسے ہیں جو بمقتضاے مجراے طبعی سب انسانوں کو پہنچ سکتی ہیں ۔ ہمارے علماء مفسرین نے اِن واقعات پر کما حقہ غور نہیں کی اور نہ اُس زمانہ کے معلومات اس قسم کے تھے کہ اُنکو ایسے امور پر

---

(۲۹) پھر مریم نے ہاتھ سے لڑکے کے طرف اشارہ کیا ۔ بولے اِس سے ہم کیا بات کریں جو کل کا بچہ تھا ۔

(۳۰) بولا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھکو اُس نے کتاب دی اور مجھکو نبی کیا ۔

(۳۱) اور مجھکو برکت والا بنایا جہاں کہیں میں ہوں ۔ اور جبتک میں جیتا ہوں مجھی نماز و زکوٰۃ کی تاکید کی ہے ۔

(۳۲) اور ماں کے ساتھ سلوک کرنے والا اور مجھکو زبردست بدبخت نہیں بنایا ۔

(۳۳) اور سلام ہے مجھپر جسدن میں پیدا ہوا تھا اور جسدن میں مرونگا اور جسدن زندہ (ہوکر) کھڑا ہونگا ۔

(۳۴) یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا

(۱۶۹) تحقیق مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول اور اسکا کلمہ ہے جسکو مریم کے طرف ڈالا اور روح ہے اُسکے طرف سے ۔

غور کرنے کو مائل کرتے ۔ جس شخص نے قرآن مجید کی طرز تحریر قصص انبیاء سلف اور آور کتب مقدسہ کی طرز تحریر کا مقابلہ کیا ہوگا اسکو معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن مجید کا انداز اُن سے نہایت مختلف ہے ۔ قرآن مجید میں انبیاء سلف و امم سابقہ کے قصے بالتفصیل بیان نہیں ہوئے کیونکہ اُن قصونکا لکھنا قرآن مجید کا مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ جس موقعہ پر جو عبرت کی بات مناسب سمجھی گئی ہے ۔ وہ اُن قصص میں سے بیان کر دی گئی ہے اور بعض موقعوں پر صرف بطور اشارہ بعض واقعات کو یاد دلایا گیا ہے اور بالاستیعاب اُنکا بیان نہیں ہوا ۔ قرآن مجید کے مخاطب جو اکثر یہود و نصاریٰ تھے ، وہ کتب مقدسہ کی حکایات و قصص سے بخوبی واقف تھے اور اُنکو ادنیٰ یاد دہانی ہی کافی ہوتی تھی ۔ نیز چونکہ خداوند تعالیٰ علام الغیوب ہے اور گزشتہ زمانوں کی واقعات اُسکے علم میں ہر ساعت موجود و حاضر ہیں وہ اپنی کلام میں بھی اُن واقعات کو جو بلحاظ زمانہ کے ایکدوسرے سے بہت بعید ہیں ایسے طور سے بیان کرتا ہے کہ گویا وہ واقعات یکے بعد دیگرے ایک سلسلہ میں چلے آتے ہیں چنانچہ فرمایا ہے

ثم ارسلنا رسلنا تترا ۔ کلما جاء امۃ رسولها کذبوه فاتبعنا بعضهم بعضاً وجعلنٰهم احادیث

حالانکہ بہت سے ان انبیاء میں سے جنکی نسبت کہا گیا ہے کہ لگاتار ایک دوسرے کے بعد بھیجی گئی ، کئی کئی صدیوں کے بعد آئی تھی ، پس قرآن مجید پڑھنے کے وقت یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ قرآن مجید کے مخاطب ، کتب مقدسہ کی قصص وحکایات سے واقف سمجھے گئے ہیں ،

اور اِس لئے قرآن مجید اگر ان قصص کو ضرورتاً بیان کرتا ہے، تو بالاجمال بیان کرتا ہے۔

اس قصہ مریم صدیقہ میں تین واقعوں کا ذکر ہے، جیسا ہمارے تین عنوانوں سے ظاہر ہے۔ ہمارے بعض علمار مفسرین نے ان مختلف زمانوں کے واقعات کو ملا جلا کر ایک عجیب قصہ گڈھ لیا ہے، کہ مریم صدیقہ غسل جنابت کر رہی تہیں کہ حضرت جبرئیل ولادت مسیح کی بشارت لائے، اور نفخ روح سے انکو چند منٹ میں حاملہ کر دیا، اور چند منٹ ہی میں وضع حمل ہو گیا، اور اُسیوقت حضرت مسیح کفار سے باتیں کرنے لگے۔ لیکن ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھہ سکتا ہے، کہ یہ سب علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں۔

اَوّلاً ان واقعات کی نیچرہی ایسی ہے کہ یہ بتراخی واقع ہوسکتی ہیں اِس بات کی ثبوت میں ہم صرف انسانی عقل اور تجربہ ہی کو پیش نہیں کرتی بلکہ کلام مجید سے سند لاتی ہیں۔ اُس قدرت کاملہ خداوندی کا بیان جو خلقت انسانی میں ہمیشہ ظاہر ہوتی رہتی ہے قرآن مجید میں اسطرح ہوا ہے۔ کہ انسان نطفہ کی صورتیں کچھ عرصہ رحم والدہ میں رہتا ہے۔ پھر روز بروز اُس میں تبدیلی ہوتی ہے اور مختلف حالتیں بدلتا بدلتا مدت مقررہ کے بعد آدمی بنجاتا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ثم جعلناه نطفة في قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشأناه خلقا اخر ۔ مومنون

ثانیاً آیات مذکورہ بالا میں کوئی ایسا لفظ واقع نہیں ہوا جو ہمیں اِس بات کے

ماننے پر مجبور کرے، کہ یہ واقعات آن واحد میں ہوئے تھے۔ فاء عاطفہ جیسے کہ بیقدر شک اس قسم کا ظاہر کیا جاتا ہے، ایسا حرف نہیں کہ اُسکا استعمال ترتیب بلا مُہلت کے لئے مخصوص ہو، بلکہ محاورہ عرب میں اسکے برخلاف بھی پایا جاتا ہے۔ خود قرآن مجید میں متعدد مواقع میں حرف فا ایسے جُملوں پر آیا ہے کہ اُن جملوں کا مضمون جملہ ماسبق کے مضمون کے مقارن واقع نہیں ہوا مثلاً

(۱) قال رب بما انعمت علی فلن اکون ظہیراً للمجرمین۔ فاصبح فی المدینۃ خائفاً یترقب (قصص) اِس آیت میں دونوں جملوں کے مضمون میں اتصال زمانی نہیں۔

(۲) اِنّ قارون کان من قوم موسیٰ . . . . فخرج علی قومہ فی زینتہ قال الذین یریدون الحیوٰۃ الدنیا یلیت لنا مثل ما اوتی قارون انہ لذو حظٍ عظیم . . . . فخسفنا بہ وبدارہ الارض (قصص) قارون کے غرق ہونیکا قصہ مشہور ہے اور یہ واقع مقارن اُن واقعات کے نہ ہوا تھا، جو اس آیت کے جُمل ماسبق میں بیان ہوئے ہیں۔ پس یہاں بھی ترتیب بلا مُہلت ملحوظ نہیں ہے۔

(۳) اذ ابق الی الفلک المشحون۔ فساھم فکان من المدحضین (صافات) قرعہ ڈالنے کا فعل، یونس ع کی کشتی میں پہنچنے کے مقارن نہ ہوا تھا۔

(۴) ولقد اٰتینا الموسیٰ الکتاب ۔ فاختلف فیہ (حم) موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں جو اختلاف پڑے ہیں، وہ حضرت موسیٰ ع کے عہد میں نہ پڑے تھے بلکہ ایک زمانہ بعد۔ غرض کہ ایسے بہت سی مثالیں کلام مجید اور محاورہ عرب سے

نقل کئے جا سکتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فاء عاطفہ کے ماقبل و مابعد
میں ہمیشہ اتصال ضروری نہیں۔ پس مولویصاحب کا دعویٰ، اور وہ اقوال
جو اس بات کی تائید میں بیان ہوئے ہیں کہ یہ حالات ایک دوسرے کے بعد
بلا فصل واقع ہوئے ہیں، بالکل غلط ہے۔ پس جب فاء کا استعمال بمہلت
اور بلا مہلت ہر دو طرح محاورہ عرب میں موجود ہے، اور قرینہ مقام، اور نفی انتفاء
قدرت، اور عقل انسانی، سب اس بات کے مقتضی ہیں کہ یہ واقعات ثلاثہ بتراخی
واقع ہوئے ہوں تو اور کون سی وجہ ترجیح فاء بمعنی بلا مہلت کے ہے؟ اس کے سوا
اور کوئی ثبوت مولویصاحب نے اپنی دعاوی کا نہیں دیا اور محض اپنی طرف سے کہدیا
کہ ابو القاسم بلخی کا قول بعید ہے، ہمنے مانا کہ ابن عباسؓ جو مدت حمل نو ماہ بتلاتے
ہیں، اور ابو القاسم بلخی جنکا یہ قول ہے کہ حضرت مسیح نے صغر سنی میں گفتگو نہیں
کی، عربی کی لیاقت نہ رکھتے تھے، اور انکو مولویصاحب سے فضیلت حاصل تھی!
مگر حیرانی کی یہ بات ہے کہ کس دلیل سے انکا قول بعید ہے؟

معہذا مولویصاحب کی تقریر انکے ہمخیالوں کے اقوال کے مبطل، اور انکی تحریرات
سابقہ کی متناقض، اور ہماری دعاوی کی مثبت و موید ہیں۔ آپ فرماتے ہیں
کہ "اتصال کے یہ معنی نہیں کہ دو امر متصل ہیں مطلق تاخیر و تراخی نہو بلکہ اس کے
یہ معنی ہیں کہ ان دونوں میں کسی امر اجنبی کا حلول و تخلل نہ ہو پس اگر نو ماہ
چھوڑ نو برس بھی حمل رہتا اور پھر دردزہ واقع ہوتا تو بھی کہا جاتا کہ دردزہ حمل
کے متصل واقع ہوا ہے مگر اس بات کے سمجھنے کو یورپین معلومات کافی نہیں
مشرقی علوم سے مناسبت ضروری ہے، سو یہاں کہاں" اگر اتصال کے یہ معنی

نہیں کہ دو امر متصل ہیں مطلق تاخیر و تراخی نہو" تو حمل ساعۃ واحدہ کا استدلال باطل ہے۔ پس ان تمام مفسروں کے اقوال جنہوں نے فاء تعقیب سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مدت حمل ساعۃ واحد تھی، آپ کے قول ہی کے موافق لغو ہیں۔ رہا اپنے کلام کا تناقض، سو وہ بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ آپ کی ہی قاعدہ کے موافق فاء تعقیب کے معطوف و معطوف علیہ میں کسی امر اجنبی کا حلول و تخلل نہیں ہونا چاہئیے۔ مگر اجاء اور انتبذت کے مابین فعل وضع حمل ایک امر اجنبی ہے اور اس لئے ان میں اتصال نہیں۔ آپ کہیں گے کہ بعد فاجاءہا کے فوضعت محذوف ہے لیکن اگر دو جملوں میں اتصال ثابت کرنیکی غرض سے آپ ایک فعل مقدر مان سکتے ہیں تو کسی قرینہ سے کئی ایک فعل مثلاً فربّیتہ حتیٰ صار بالغاً مقدر ہو سکتی ہیں اسطرح کی تقدیر عبارت کی مثالیں کلام مجید میں بہت پائی جاتی ہیں، جیسا کہ تفاسیر کے مطالعہ کرنے والوں پر روشن ہے چنانچہ سورہ یوسف میں انا انبئکم بتاویلہ فارسلون اور یوسف ایہا الصدیق کے درمیان باتفاق جمہور مفسرین اسقدر عبارت مقدر ہے فارسلوہ الیہ فاتی یوسف فقال یا۔ پس جو کچھ مولویصاحب نے ان واقعات کے متصل ہونیکی نسبت سمجھا ہے وہ سراسر غلط ہے حضرت مسیح کی ولادت کا حال جو انجیل و قرآن مجید و دیگر کتب سے معلوم ہو سکتا ہے اور جسکی تائید انسانی عقل اور تجربہ سے ہوتی ہے یہ ہے:۔

ہو قولہ تعالیٰ فحملتہ فانتبذت بہ فاجاءہ المخاض فناداہ من تحتہا۔ والفاء للتعقیب فدلت ہذہ الفاءات علیٰ ان کل واحد من ہذہ الاحوال حصل عقب الآخر من غیر فصل وذلک یوجب کون مدۃ الحمل ساعۃ واحدۃ۔ تفسیر کبیر

یہودی کتاب اقدس کے موجب یہ یقین رکھتے تھے کہ مسیح داؤد کی نسل سے
ہوگا۔ اُس زمانہ کی عورتیں دعائیں مانگتی تھیں کہ مسیح ہمارے گھر پیدا ہو اور اِس
مقصد کے حصول کیواسطے وہ عبادتیں کرتی تھیں، اور خداوند کے ہیکل میں
جاتیں اور نذریں مانتی تھیں۔ مریم صدیقہ کی بھی یہی دلی آرزو تھی رات دن
ایک خیال میں مستغرق رہنا، اور عبادت میں بھی وہی خیال ہمیشہ نظر رہنا،
اور ہر وقت اُسیکی دعا مانگنا، اور چلہ کھینچنا، وہم و خیال پر بہت اثر کرتا ہے،
ایسی حالتوں میں متخیلہ میں کسی قسم کی صورت کا دکھائی دینا، یا بن بولنے والے
کے آوازوں کا سُننا، ایک عام بات ہے۔ ایسا ہی مریم صدیقہ کے ساتھ ہوا۔
ایک روز جب وہ اپنے گھر سے نکلکر ایک تنہا مکان میں اپنے خیال میں مستغرق
و محو تھیں کہ دفعتًہ اُنکو ایسا معلوم ہوا کہ اُن کے روبرو کوئی شخص کھڑا ہے (مریم ۱ آیت ۱)
اور ایسی از خود وارفتہ ہوئیں کہ اُس صورۃ متمثلہ سے ہمکلام ہوئیں اور اُسے
جواب بھی سُنا (مریم ۱ آیت ۱۸-۱۹) کچھ عرصہ کے بعد مریم صدیقہ کی یوسف سے منگنی
ہوگئی (متی باب ۱ آیت ۱۸)

یہودیوں میں منگنی اور نکاح میں کوئی شرعی فرق نہیں ہے اور موسیٰ علیہ السلام
نے کوئی رسم علیحدہ نکاح کی مقرر نہیں کی۔ منگنی کے بعد منسوبہ سے جو اُنکی
شریعت میں منکوحہ کہلاتی تھی مباشرت جائز ہوجاتی تھی، گو زوجہ کو کچھ میعاد
مقررہ کے بعد اپنے گھر لایا جاتا تھا۔ حضرت مریم بھی اپنے شوہر کے گھر آنے سے
پیشتر حاملہ ہوگئیں (مریم آیت ۲۲ متی باب ۱ آیت ۱۸)، اونہیں دنوں مریم اُٹھکر
جلدی سے کوہستان میں یہودا کے ایک شہر کو گئی (لوقا باب ۱ آیت ۳۹)

اُنہیں دنوں قیصر اغسطوس نے اسم نویسی کا حکم دیا تھا اور یوسف بیت لحم کو گیا کہ اپنی بیوی کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھا دے۔ جب وے وہاں ہی تھے کہ اُسکے جننے کے دن پورے ہوئے اور بیٹا جنی (لوقا باب ۲ آیت ۶ مریم آیت ۲۲) اور یسوع اُسکا نام رکھا لڑکا بڑھتا گیا اُس کے ماں باپ ہر سال اُس کو یروشلم لیجایا کرتے تھے۔ مسیح نے بارہ برس کی عمر میں ہی وعظ و تلقین شروع کی (لوقا باب ۲ آیت ۲۲) ہیکل کے سب اُستاد اُسکی تقریر سے دنگ ہو گئے اور اُسکی باتوں کو کفر و بیدینی پر محمول کیا اور مریم کو آکر کہا کہ یا مریم جئت شیئاً فریا حضرت مریم نے اسکا کچھ جواب ندیا اور صرف یہی کہا کہ اُسی سے پوچھو اُنہوں نے کہا کہ ہم کل کے بچے سے کیا بات کریں مسیح نے کہا کہ میں نبی ہوں اور جو کچھ کہتا ہوں وہ خدا کیطرف سے ہے۔ اُس میں کوئی بیدینی کی بات نہیں ہے۔ اور بدستور وعظ کرتے رہے آخر یہودیوں نے طرح طرح کے الزاموں سے جیسے سقراط پر لگائے گئے تھے، اور جیسے آجکل ہمارے نجم الہند پر لگ رہے ہیں، اُنکو گرفتار کرا کر عذاب صلیب میں پھنسایا۔

اِن واقعات میں سے قریبا سب قرآن مجید میں بالاجمال بیان ہوئے ہیں - آیات (۱۶ - ۱۷) میں حضرت مریم کا تنہائی میں دعا کے لئے جانا، اور وہاں ایک صورت کا متمثل ہونا، بیان ہوا ہے - ہم پیچھے ثابت کر آئے ہیں کہ جو کچھ تھا مریم کے خیال میں تھا، اور فی الخارج کچھ نہ تھا - اِس القار فی القلب دروع فی النفث کو الفاظ ارسلنا الیہا روحنا سے قرآن مجید میں تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام میں اوحینا الیک روحا من امرنا کہا گیا ہے

اِس تمام واقعہ کی حقیقت اور ہمارے تمام رایوں کی بنیاد لفظ تمثل ہے
جس کے معنی متخلیہ میں صورت بندہ جانا، اور کسی شئے کا تصور حاصل ہونا
ہے اِس معنی میں ہمارے مفسرین نے اسکو استعمال کیا ہے، اور یہی معنی
مستند کتب لغت میں مندرج ہیں. چنانچہ چند مقامات ہم پیچھے نقل کر چکے
ہیں جسسے نہایت وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ مریم کو جو کچھ دکھائی دیا
وہ حقیقت میں کچھ نہ تھا. اگر جو کچھ انجیل میں لکھا ہے اُسپر یقین کیا جاوے
اور اُسسے قیاساً نتیجہ نکالا جاوے، تو اِس واقعہ کا حالت خواب میں ہونا ہی
پایا جاتا ہے. کیونکہ یوسف کو بھی خواب میں ہی ظاہر ہوکر فرشتہ نے حمل کی
خبر دی تھی، پھر پورب کے مجوسیوں کو بھی فرشتہ نے خواب میں ظاہر ہوکر ہیروڈس
کے پاس جانے سے منع کیا تھا، پھر یوسف کو مکرر فرشتہ نے خواب میں ظاہر
ہوکر مصر کو بھاگ جانیکی صلاح دی. ہیروڈس کے مرنیکی خبر بھی فرشتہ نے
یوسف کو خواب میں دی تھی غرضکہ ان سلسلہ واقعات میں جس جگہ فرشتہ کا
آنا بیان ہوا ہے، وہ خواب میں ہی بیان ہوا ہے، اُسی قیاس سے اور لفظ
تمثل کی تائید سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مریم صدیقہ کو بھی فرشتہ خواب میں
ہی نظر آیا ہوگا. لیکن ہمارے پاس قطعی دلیل اِس بات کے ثبوت کی
نہیں کہ یہ واقعہ خواب میں ہوا تھا. معہذا قرآن مجید کے رو سے یہ بھی قطعاً
ثابت ہے کہ وجود فرشتہ کا محض تمثیلی و خیالی تھا۔ جو لوگ عبادتِ الٰہی
میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں، ریاضتیں کرتے ہیں، منتیں مانگتے ہیں،
مندروں اور عبادت خانوں میں چراغ جلاکر عالم تصور میں بیٹھے رہتے ہیں،

اُن کے وہم وخیال کی قوتیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ تاریخ سے ایسے بہت سے
آدمیوں کی نظیریں ملتی ہیں۔ خصوصاً *جوان آف آرک کا قصہ
مریم صدیقہ کے قصہ سے نہایت ہی مشابہ اور اِسّے بدرجہا زیادہ تعجب خیز و
حیرت انگیز ہے

(۱۸-۲۱) ان آیات میں حضرت مریم کا اُس صورۃ متمثلہ سے مکالمہ مذکور ہوا ہے
اس رویا کے وقت تک مریم صدیقہ کی منگنی نہیں ہوئی تھی۔ لوقا نے جو لکھا ہے
کہ خدا کا فرشتہ ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا (جسکی یوسف سے جو داؤد کے

---

* لورین صوبہ فرانس میں ایک غریب زمیندار کی جوآن نامی ایک لڑکی تھی۔ بچپن سے اُسکو تنہائی
پسندی اور گوشہ نشینی کی عادت تھی۔ بھیڑ بکریوں کا گلہ لیکر جب جنگل میں جاتی تو چپ چاپ اُجڑ سنسان
درختوں میں اکیلی بیٹھی رہتی یا اپنے گاؤں کے گرجا کے تنگ تاریک حجروں میں جا چھپتی جہاں مذبح
کی ٹمٹانی چراغ کی سوا کچھ روشنی نہ ہوتی تھی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسکو عجیب عجیب خیالی صورتیں
دکھائی دینے لگیں۔ گانوکے جاہل اور وہمی لوگوں نے اُسکے خیالات کی تائید کی۔ آخر نوبت یہانتک
پہنچی کہ وہ فرشتے جنکی تصویریں وہ ہر وقت گرجا میں دیکھتی تھی اُسکو نظر آتے اور اُس کے
پاس آکر اُسسے باتیں کرتے تھے۔ ایک دن اُسنے معلوم کیا کہ میکائیل مجکو حکم دیتا ہے کہ میں فرانس
کی مدد کو جاؤں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ڈافن کے پاس گئی بہت سی لڑائیاں اُسنے جیتیں اور ہاریں۔
مگر آخر دشمن کے ہاتھ آگئی۔ توہم کرنے پر عذاب موت کی جگہ حبس دائمی سزا ملی۔
قید خانہ میں کھانا کم کھاتی اور خالی بیٹھی رہنے سے پھر وہ ہی تماشے نظر آنے لگے۔ آخر ایک
چوک میں تمام خلقت کے روبرو نہایت بیرحمی سے جلائی گئی۔ صلیب ہاتھ میں لئے ہوئے
نہایت استقلال سے اُس بیگناہ لڑکی نے جان دی

گھرانے سے تھا منگنی ہوئی تھی) سو اس آیت میں مریم کے اُسوقت کی حالت و
صفت کا بیان نہیں بلکہ اُن کی پچھلی حالت کا بیان ہے۔ کیونکہ اس آیت سے
مریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تک وہ کسی مرد کو نہ جانتی تھیں۔ مگر اس سے
یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بعد بھی یہ امر واقع نہیں ہوا گو قرآن مجید میں کہیں اسکا
ذکر نہ ہوا ہو*۔ اگر صرف اس بات سے کہ مسّ بشر کا کہیں ذکر نہیں ہوا یہ نتیجہ نکالا جائے
کہ مسیح بن باپ کے ہوئے تھے تو یہ ہی نتیجہ دیگر اولاد مریم کی نسبت بھی نکالنا پڑیگا
کیونکہ اسکی بھی کہیں تصریح نہیں ہوئی کہ یہ اولاد مسّ بشر سے ہوئی تھی

(۲۲) حضرت مریم کا ایام حمل میں کوہستان یہودا کو جانا بیان ہوا ہے۔ جسکو
مکانا قصیا سے تعبیر کیا ہے

قال ابن عباس رض اقصی الوادی وھو وادی
بیت لحم وقال الکلبی حمل یوسف النجار مریم وابنھا
عیسیٰ الی غار ومکث اربعین یوما و ثعلبی ان
یوسف احتملھا الی ارض مصر علی حمار لہ تفسیر معالم بیضاوی

چنانچہ انجیل لوقا ومتی سے
بھی مریم صدیقہ کو اس سفر کی
تائید ہوتی ہے۔ مکانا قصیا
سے یہ مطلب نہیں کہ

* اسکی مثال یہ ہے کہ زید کو کسی نے بچپن میں کہا کہ تم بڑے لایق اور صاحب تصانیف ہوگے۔
زید نے کہا کہ میں تو الف۔ بے۔ تے بھی نہیں پڑھی۔ میں لایق کسطرح ہونگا۔ اب اگر
حقیقت میں زید بڑا ہو کر ویسا ہی لایق نکلے جیسا کہ کہا گیا تھا تو کیا یہ نتیجہ نکالنا درست
ہوگا کہ وہ بغیر تعلیم پانے کے علم لدنی سے عالم فاضل ہوگیا ہے جو اسیطرح مریم کی کسی خاص
وقت کی اس قول سے کہ مجھے کسی شخص نے نہیں چھوا، یہ قیاس کر لینا کہ اس کے بعد بھی ہرگز ایسا
نہ ہوا ہوگا اور اُنکی اولاد بلا مس بشر ہوتی رہی، قیاس مع الفارق ہے۔

اپنے گھر کے پاس کسی دور مکان میں چلے گئے۔ اس قسم کی تکلفات صرف اس نظر سے کئے جاتے ہیں کہ ان سب مختلف و متفرق واقعات کا متصل ہونا اور آن واحد میں ختم ہونا ثابت ہو جاوے

(۲۳) وضع حمل کا بیان ہے۔ اس کہنے سے کہ کاش میں مرجاتی یہ ہرگز نہیں پایا جاتا، کہ انہوں نے معاذ اللہ کوئی ناجائز کام کیا تھا، اور لوگوں کی لعنت ملامت کا ڈر تھا۔ بلکہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ انسان مشکلات و تکالیف شاقہ کے وقت کہا کرتا ہے کہ کاش میں مر جاتا اور یہ صعوبت نہ دیکھتا! ہمارے اس قول کی تفسیر کبیر سے بھی تائید ہوتی ہے جہاں لکھا ہے کہ صلحا جب کسی مصیبت میں پڑتے ہیں تو یہ کہا کرتے ہیں۔

ان عادة الصالحین اذ وقعوا فی بلاء ان یقولوا ذالک وقال علی یوم الجمل یا لیتنی مت قبل ہذا الیوم وعن بلال لیت بلالا لم تلدہ امہ۔ فثبت ان ہذا الکلام یذکرہ الصالحون عند اشتداد الامر علیہم	علی رض نے یوم جمل میں کہا کہ کاش میں آج سے پہلے مر گیا ہوتا! اسیطرح بلال نے کہا کہ کاش میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا!

اسسے ثابت ہوا کہ صالح آدمی مصیبت کیوقت ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔

پس اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ بلا شوہر حاملہ ہوئیں تھیں اور استحیاء للناس یہ بات کہی تھی محض نادانی ہے۔

(۲۶) ہم بیان کر چکے ہیں کہ کس شوق سے یہودی اور یہودی عورتیں دعائیں مانگتی تھیں کہ مسیح ہمارے گھر پیدا ہو اور کس خوشی سے نذریں مانتی تھیں چنانچہ اس آیت میں اُس روزہ کا بیان ہے جو مریم صدیقہ نے بطور

منت مانا تھا۔

(۲۷) یہ اُس زمانہ کا ذکر معلوم ہوتا ہے، جب حضرت مسیح نے عام شہرت حاصل کر لی تھی، اور یہودی اُنکی وعظ و تلقین سے ناراض ہونے لگے تھے۔ اسوقت حضرت مسیح کے والد کا انتقال ہوگیا تھا، اور اسیواسطے پھر کہیں یوسف کا ذکر انجیل میں مسیح کے حالات میں نہیں ہوا۔ مریم حضرت مسیح کو لیکر فلیپائے گلیل میں جو اغلباً اُن کا اصلی وطن تھا چلی گئی تھیں۔ یہودی حضرت مسیح کے وعظ سے ناراض ہوکر مریم صدیقہ کے پاس شکایت لائے، اور کہا کہ تو نے عجیب بچہ جنا ہے (جئت شیئا فریا) جو ایسی بے دینی کی باتیں کہتا ہے، تیرا باپ تو برا آدمی نہ تھا نہ تیری ماں احکام شریعت سے سرکش تھے۔ فری کے معنی امر عجیب وعظیم کے ہیں، اور کوئی قرینہ ایسا نہیں کہ اس کے کچھ اور معنی قرار دئے جائیں۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جب اُسکی تائید میں مریم کے ماں باپ کا زانی و بدکار نہ ہونا بیان کیا گیا ہے تو اسے یقیناً معلوم ہوا کہ لفظ فری سے متعلق منھ فری مراد ہے، مگر یہاں کوئی ایسا لفظ نہیں جسکے معنی زانی یا بدکار کے ہوں۔ پس مولویصاحب کا جواب بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ نہ امرءسوء کے معنی زانی ہیں۔ اور نہ بغیاً کے معنی صرف بدکار ہیں بغیاً بغی سے مشتق ہے جس کے معنی از حد فزوں ہے، جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے اور یہاں تعمیل احکام الہی سے سرکشی کرنا مراد ہے۔

اس آیت میں ایک لفظ تحمله آیا ہے جسکے معنے گود میں اُٹھانیکے کئے گئے ہیں

اور اسسے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مسیح اُسوقت صغیر سن تھے۔ لیکن تحملہ یہاں مجازاً استعمال ہوا ہے اور جس سے مراد صرف ساتھ لے آتا ہے، چنانچہ کلبی نے بھی اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے قال الکلبی حمل یوسف النجار مریم وابنہا الی غار پس مطلب صرف اسقدر ہے کہ مریم حضرت مسیح کو اُٹھا لائی اور ایسا بولنا نہایت صحیح اور عام محاورہ ہے البتہ کہا جا سکتا ہے کہ پھر اتت بہ کہنا فضول تھا کیونکہ یہ تحملہ میں ہی مفہوم ہے اسواسطے میری یہ رائے ہے کہ یہاں اس کے معنی باتیں کرنا اور دل بہلانا ہیں، یعنی مریم صدیقہ حضرت مسیح سے باتیں کرتی چلی آتی تھیں۔ میں اپنی اس رائے کی تائید میں ایک مشہور فاضل علم ادب عربی سے سند لاتا ہوں۔ ابوالقاسم حریری بصری نے اپنی کتاب مقامات حریری[1] میں حمل کے بھی معنی بیان کئے ہیں۔ پس یہ نہایت ہی سیدھے سادے معنی ہیں اور یہی معنی ہمنے ترجمہ آیات میں لکھے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت مسیح گدھے پر سوار ہوں (خر عیسیٰ مشہور ہے)، اور مریم کو جو بطور محافظ اُن کے ہمراہ تھیں، مجازاً اُنکا حامل کہا گیا ہو۔ متی باب ۲۱ آیت ۵ میں بھی

[1] کان شن رجلاً من دہاۃ العرب فصاحبہ رجل فی بعض اسفارہ فلما اخذ منہما السیر قال لہ شن اتحملنی ام احملک فقال الرجل یا جاہل کیف یحمل الراکب الراکب فامسک وسارتم وصلا الی قریۃ الرجل وصاحبہ الی منزلہ وکانت لہ بنت تسمی طبقۃ فاخذ یطرفہا بحدیث رفیقہ فقالت ما نطق الا بالصواب اما قولہ اتحملنی ام احملک فاراد اتحدثنی ام احدثک حتی نقطع الطریق بالحدیث۔ مقامات حریری مقالہ ۳۹۔

حضرت مسیح کا گدہے پر سوار ہو کر آنا بیان ہوا ہے۔ حمل کو اس معنی میں استعمال کرنیکی تائید بھی قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ جب بنی اسرائیل سے تابوت سکینہ جاتا رہا، اور طالوت بادشاہ ہوا تو اُن کے نبی نے تابوت سکینہ کے واپس ملنے کی بشارت بایں الفاظ دی تھی، کہ تحمله الملائکة یعنی اُسکو فرشتہ اوٹھا لاوینگے، حالانکہ اُس تابوت کو فرشتہ خود اُٹھا کے نہ لائے تھے بلکہ وہ بیلوں کی گاڑی پر لایا گیا تھا، اور ملائکہ کو جنکی حفاظت سے وہ آیا تھا مجازاً انکا حامل کہا گیا۔ اسیواسطے تفاسیر میں تحمله کے معنی تسوقه (ہانکتے تھے) کئے ہیں۔ حضرت مسیح کا حال بالتفصیل و بالترتیب معلوم نہ ہونے سے ہم قطعی طور پر اِن وجوہ میں سے کسیکو ترجیح نہیں دیسکتے؛ لیکن یہ اصول یاد رہنا چاہئے کہ اگر کوئی آیت قرآن مجید کی محتمل کئی وجوہ کی ہو تو وہ معنی مختار و مرجح ہونے چاہئیں، جو انسانی عقل و فطرت کے موافق ہوں، نہ وہ جس میں عجائبات پائی جائیں، چنانچہ محققین مفسرین کا ہمیشہ یہی اصول رہا ہے، اور یہی خوبی ہے جسکے سبب تفسیر بیضاوی اور تفسیر کبیر کو اَور تفاسیر پر فضیلت ہے، اور یہ ہی وہ بات ہے جس کے سبب نجم الہند سید احمد خان صاحب بہادر کی تفسیر القرآن جملہ تفاسیر کی فہرست کا سرتاج بنیگی؛

(۲۹) من کان فی المهد صبیا میں سید صاحب کان کو زائدہ قرار نہیں دیتے، نہ فصاحت و بلاغت قرانی کا یہ مقتضا ہے کہ بلا ضرورت اُسکو زائد مانا جاوے، اور نہ حضرت مسیح کی اگلی کلام اس کے مؤید ہے، جسکی طرز ایسی ہے گویا کسی مدت کے واقعہ گذشتہ کا*

---

* والسلام علی یوم ولدت یعنی سلامتی ہو مجھپر جس روز میں پیدا ہوا تھا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماجرا یوم ولادت کا نہیں بلکہ زمانہ مابعد کا ہے۔ اگر یوم ولادت کا ہوتا تو السلام علی الیوم کہا جاتا۔

ذکر ہے - لیکن اگر بطریق تنزل ہم کان کوزائدہ ہی مانیں تب بھی یہ ثابت ہونا مشکل ہے کہ حضرت مسیح ایسی عمر میں گویا ہوئے تھے، جس میں عام فطرت انسانی کے موافق کوئی بچہ نہیں بول سکتا - کیونکہ اس بات کے کہنے سے کہ ہم بچہ سے کیا بات کریں صرف متکلم کا اتنا مقصود ہے کہ طرف ثانی نہایت کم عمر ہے، نہ یہ کہ وہ بالکل کلام نہیں کرسکتا - (آجکل اکثر مولوی بھی نئی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے سوالوں کو بھی یہی کہکر ٹال دیتے ہیں کہ ہم بچہ سے کیا گفتگو کریں) مشہور محاورہ ہے کہ "اطلبو العلم من المھد الی اللحد"، اگر مہد میں تحصیل علم کی استعداد ہوتی ہے تو کلام کرنیکی قابلیت بطریق اولےٰ ہونی چاہیئے پس اس بات کا کوئی ثبوت قرآن مجید سے نہیں کہ مسیح نے اسقدر صغر سنی میں کلام کی، جس عمر میں کوئی بچہ نہیں کرسکتا -

(۳۰ - ۳۱) ان آیتوں میں پھر اُن دونوں دعووں کا ابطال ہے کہ حضرت مسیح بن باپ کے پیدا ہوئے اور اُنہوں نے غایت صغر سنی میں کلام کی - اگر حضرت مسیح بن باپ کے پیدا ہوئے ہوتے، اور یہودی مریم صدیقہ پر زنا کا اتہام لگاتے، اور مسیح اپنی ام صدیقہ کی عصمت پر شہادت دینی کو گویا ہوئے ہوتے تو ضرور تھا کہ وہ اِنکی بریت کی دلیل بیان کرتے، مگر مسیح نے کہا کہ "مجھکو اللہ نے کتاب دی ہے اور مجھکو نبی کہا ہے" جس میں دلیل تو کیا ایک لفظ بھی اپنی ام صدیقہ کی بریت کا نہیں، بلکہ اپنی نبوت اور صاحب کتاب ہونا بیان کیا، جو اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ اُن کو نبی نہ مانتے تھے اور ان کی باتوں کو بیدینی اور کفر سمجھتے تھے - اِس آیت کی کھینچ تان کر

ایسے معنی بیان کرنا جسے انکی والدہ پر سے فرضی اتہام دور ہو، تفسیر القول بمالا یرضی بہ قائلہ ہے۔ اسیطرح مسیح کا یہ کہنا کہ "مجھے نماز و زکوٰۃ کا حکم ملا ہے" بریت مریم سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، بلکہ یہ جتاتا ہے کہ وہ اُسوقت بالغ ہو چکے تھے اور نبوت کی حد کو پہنچ گئے تھے، کیوں کہ بچوں کو نماز و زکوٰۃ کا حکم نہیں ملتا ہے بلکہ وہ مرفوع القلم ہوتے ہیں۔

یہ سوال کہ آیا صبی ایسے احکام کے لئے مکلف ہو سکتا ہے؟ ہمارے مفسرین کے دل میں بھی کھٹکا ہے، اور اُنہوں نے اپنی دانست میں اس مشکل کو حل کر دیا ہے۔ اُنکا حل بھی نہایت عجیب ہے، اور اس لئے اُسکا لکھنا بھی یہاں خالی از لطف نہ ہوگا۔

لما انفصل عیسی عن امہ صیرہ باللہ فاقلا تام الاعضاء والخلقۃ وتحقیقہ قولہ تعالی ان مثل عیسی عند اللہ کمثل آدم فکما انہ تعالی خلق آدم تاما کاملا	لکھتے ہیں کہ مسیح اپنی والدہ سے علیحدہ ہوتے ہی یکدم بالغ و عاقل ہو گئے۔ اسیواسطے اُنکو آدم سے مشابہ کہا گیا ہے

٭ اسکی مثال یہ ہے کہ زید پر الزام چوری کا لگایا گیا۔ زید اپنی برات میں اپنے دوست عمرو کو شہادت کے لئے پیش کرتا ہے عمرو نے عدالت میں یہ بیان کیا کہ میں مولوی ہوں۔ متقی ہوں محدث ہوں اور زید کی برات کا ایک حرف بھی بیان نہ کیا۔ اب اگر کوئی عمرو کی شہادت کے یہ معنی تجویز کرے کہ "اگر زید چور ہوتا تو عمرو مولوی، متقی محدث ہو کر چور کو اپنا دوست نہ بناتا اور اس لئے اپنی تعریف سے حقیقت میں اپنی دوست کی برات منظور ہے" تو کیا معنے صحیح سمجھے جائیں گے؟ ایسی ہی معنی ہمارے مولانا نے مسیح کی کلام کے کئے ہیں۔

پھر کہتے ہیں کہ اس مشکل کے حل کرنے میں جو توجیہات بیان ہوئی ہیں یہ سب سے عمدہ اور ظاہر قرآن کے	دفعتہ فکذا القول فی عیسیٰؑ وھذا القول اقرب الی الظاہر لقولہ ما دمت حیًّا فانہ یفید ان ھذا التکلیف متوجہ علیہ فی جمیع زمان حیاتہ تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ ۹۵

موافق ہے ۔ سبحان اللہ !! خیر اگرچہ یہ ایک نیا مقدمہ ہے کہ مسیح آناً فاناً بالغ ہوگئے ، یا عام فطرت انسانی کی موافق ہوے ، لیکن اس نقل سے اس بات کا فیصلہ قطعی ہوگیا کہ مسیح کا قول جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے ، وہ زمانہ بلوغت و نبوت کا ہے ۔ پس ہمارا مطلب بھی یہی تھا کہ صغر سنی میں اُنہوں نے کلام نہیں کی ۔

(۳۲) برّاً بوالدتی (ماں کے ساتھ سلوک کرنیوالا) - زکریا کی قصہ میں برّا بوالدیہ (والدین سے سلوک کرنیوالا) کہا گیا اور اس قصہ میں برّا بوالدتی کہا گیا ہے جیسے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ مسیح کا کوئی باپ نہ تھا ، اگر ہوتا تو یہاں بھی بوالدیہ ہی کہا جاتا ۔ لیکن ہم بیان کر آئے ہیں کہ یہ قول حضرت مسیح کا ، اُسوقت کا ہے جب اُنکے والد کا انتقال ہو چکا تھا ، پس اگر اس بات کو یاد رکھا جاوے تو اس اعتراض کا کچھ زور نہیں رہتا ، اور والد کے ساتھ جو زندہ ہی نہ تھے سلوک کرنیکے کچھ معنی نہیں ہیں ۔ البتہ انکی والدہ سے جو نہایت تنگدست تھیں ، اور جو بسبب بیوہ ہو جانے کے اور بھی قابل رحم ہو گئی تھیں ، سلوک کرنا نہایت عالی ہمتی اور محبت فرزندگی کا

عمدہ نمونہ ہے۔

(۴۳) ابن مریم ! اس لفظ نے بھی بہت خرابی ڈالی ہے۔ لیکن اس خرابی کا اصل باعث یہ ہے کہ عموماً لوگ قرآن مجید سے وہ باتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں، جو وہ خود مانتے ہیں، لیکن بجائے اسکے انکو وہ باتیں ماننی چاہئیں، جو قرآن مجید میں ہیں۔ انکو یہ مطلوب نہیں کہ حضرت مسیح کی پیدائش کے نسبت قرآن مجید کیا کہتا ہے، بلکہ یہ مقصود ہے کہ مسیح کے بن باپ پیدا ہونیکا اشارہ کہاں کہاں سے نکل سکتا ہے۔

چنانچہ الفاظ ابن مریم بھی اسی سلسلہ میں گنے گئے ہیں۔ مگر ابن مریم کے کہنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مسیح بے باپ پیدا ہوئے تھے۔ چھوٹی عمر میں اور قبل اس کے کہ مسیح کو عام شہرت حاصل ہو، یوسف کا انتقال ہو گیا تھا، جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔ کل خاندان پر بجز مریم کے کوئی سرپرست نہ تھا۔ علاوہ اس کے مریم و مسیح اسوقت قیناسے گلیل کو چلے گئے تھے جہانکہ یوسف کا کوئی واقف نہ تھا۔ اس لئے جب حضرت مسیح کو اُن کے اور ہمنام آدمیوں سے تمیز کرنا ہوتا تھا، تو ابن مریم کہا جاتا تھا، جو خاندان کے سرپرست تھے اور جتنے وہاں کے لوگ سب واقف تھے (دیکھو سوانح عمری مسیح مصنفہ ارنسٹ رنیان صاحب صفحہ ۱۷)

علاوہ اس کے مسیح کے والد کا ذکر نہ کرنے سے یہ کسطرح ثابت ہو سکتا ہے کہ حقیقت میں انکا کوئی والد نہ تھا۔ دیکھو حضرت موسیٰ کی ولادت کا ذکر جو قرآن مجید میں ہوا ہے، اُسمیں بھی صرف اُن کی والدہ کا

ذکر ہے ، اور ان کے باپ کا کچھ بیان نہیں ہوا ۔ اب کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ سوسنے علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں ۔ یہ حضرت موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ کتب تواریخ سے پایا جاتا ہے کہ بہت سے لوگوں کی کنیت والدہ سے مشہور ہے چنانچہ ابن ہشن اور ابن الدمینہ٭ بڑے مشہور و معروف شاعر ہوے ہیں اور یہ دونوں اپنی والدہ کے نام سے مشہور ہیں - ہمارے ناظرین سنکر شاید متعجب ہوں کہ ابن مریم بھی ایک شاعر ہوا ہے ۔ حضرت مسیح کے باپ کے نام سے تو بہت لوگ واقف بھی ہیں مگر ان شاعروں کے والدوں کے ناموں سے بہت کم لوگوں کو آگاہی ہوگی ۔ مولویصاحب ہی ان میں سے کسی کے باپ کا نام بتائیں تو ہم نہایت شکرگذار ہوں ، اور آپ کی کمال عربی دانی کا اقرار کریں ۔ پس اگر کوئی والدہ کے نام سے مشہور ہونے سے بن باپ مولود متصور ہو سکتا ہے ۔ تو ان شاعروں کو بھی اسی فہرست میں جگہ ملنی چاہئے ۔

باقی بحث مولویصاحب کے اس بابمیں ختم ہوئی ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے دعاوی کا منشاء و مبنی یہ امر تھا کہ وہ (حضرت مسیح) بلا باپ متولد مانے اور سمجھے جاتے تھے ، اور یوسف کے نطفہ سے متولد خیال نہ کئے جاتے تھے ۔ قرآن مجید نے فریقین کے دعاوی کو باطل کیا ، اور دعاوی کے مبنی و منشاء سے بھی تعرض کیا ، اس منشاء کی وجوہ کو تو رد نہیں کیا بلکہ مسلم رکھا مگر اسکے لازمہ اور نتیجہ کو جو فریقین اُسے نکالتے ہیں رد کر دیا ۔ پھر اس بحث کی بابت سوال کرتی ہیں کہ اگر

٭ ابن الدمینہ ہو ابو السری عبد اللہ بن عبید اللہ احمد بن عامر ابن تیم اللہ و الدمینہ امہ وہی سلولیہ شاعر مشہور - دائرۃ المعارف جلد اول

قرآن مجید نے منشاء و مبنی نزاع فریقین سے تعرض نہیں کیا بلکہ اسکی رد و تسلیم سے سکوت فرمایا، تو قرآن مجید نے پھرکیا فیصلہ کیا اور وہ فیصلہ کیا وقعت رکھتا ہے؟

یہ بحث حقیقت میں بہت مفید اور ضروری بحث ہے اس لئے ہم بھی اسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ مولویصاحب نے یہود و نصاریٰ کے منشاء و مبنی نزاع کے قرار دینے میں بڑی بھاری غلطی کی ہے، اور اس غلطی سے گویا تمام مضمون جو اسپر مبنی تھا نکما ہو گیا ہے۔ یہود و نصاریٰ کا منشاء نزاع وہ نہ تھا جو ہمارے مولانا سمجھے ہیں۔ اگر بلا باپ پیدا ہونے سے ہی وہ خدا کے بیٹے یا مولود نا جائز سمجھے گئے تھے تو لازم تھا کہ وقت ولادت مسیح ہی یہ دونو دعوے کئے جاتے۔ لیکن وقت ولادت نہ کسی نے اُن کو خدا کا بیٹا کہا، نہ مولود نا جائز ہونیکی تہمت لگائی۔ اول سے آخر تک انجیل دیکھلو وقت ولادت تو کیا، زندگی بھر میں اُنپر مولود نا جائز ہونیکا بہتان انپر کسی نے نہیں باندھا، اور نہ قرآن مجید میں کوئی قول کفار کا اس مضمون کا بیان ہوا ہے۔ ان کی تصلیب کے وقت ان کے دشمن اُن سے ٹھٹھہ کرتے تھے، کانٹوں کا تاج اُن کے سر پر رکھتے تھے، اور انکے چہرہ مبارک پر تھوکتے تھے مگر کسیکو اُنہیں مولود نا جائز کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ایک زمانہ کے بعد مسیحیوں نے اُن غلط خیالات سے جو اکثر مقدس لوگونکی نسبت کئے جایا کرتے ہیں، اور جنکا بیان ہم مقدمہ کتاب میں کرچکے ہیں، اُنکو خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا۔ کلام ربانی کی بعض آیات سے جن میں مسیح کو کلمۃ اور روح اللہ کہا گیا ہے کوتاہ اندیش عیسائیوں نے

اور زیادہ دہوکہ کہایا، اور مسیح کو درجہ الوہیت تک پہنچا دیا جسقدر مسیح کے معتقدوں نے انکو بڑہایا، یہود نے مخالفت مذہبی کے سبب انکو گرایا۔ یہود و نصاریٰ کی باہمی عداوت و مخالفت کا ذکر متعدد جگہ قرآنؔ مجید میں ہوا ہے۔ پس دعوی نصاریٰ کی بنیاد اُن کے وہم مزاجی، زود اعتقادی اور غلط فہمی تہی کہ روح منہُ سے خدا کا بیٹا سمجھ لیا؛ اور یہود کی دعوی کی بنیاد مخالفت مذہبی اور عداوت قلبی۔ سو خداوند تعالےٰ نے اس منشاء و مبنی کو قرآن مجید میں بہت جگہ باطل و رد کیا ہے۔ عیسایوں کا ابطال اس آیت میں ہوا ہے۔ کہ عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک

مثل عیسی عند اللہ کمثل آدم

مثل آدم کے ہے

یعنی جسطرح حضرت مسیح کی نسبت کہا گیا ہے "روح منہ۔ کلمہ القاہا الے مریم" اسیطرح آدمؑ کی نسبت کہا گیا ہے کہ نفخت فیہ روحی۔ پہر جب آدم نفخ روح سے خدا کا بیٹا نہ کہلایا تو حضرت مسیح کسطرح کہلا سکتے ہیں۔ پہر ایک اور مقام میں کل انسانوں کی نسبت یہی ارشاد ہوا ہے۔ جیسے

بدا خلق الانسان من طین ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ سجدہ

کوئی خصوصیت آدم یا مسیح کی نہیں رہی۔ اسی قرینہ سے میرا یہ خیال ہے کہ پہلی آیت میں بھی آدم سے مُراد نوع انسان ہے نہ کوئی خاص

* قالت الیہود لیست النصاریٰ علی شیئی وقالت النصاریٰ لیست الیہود علی شیئی (بقرہ) القینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ (مائدہ)

شخص، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ عیسی میں اور اور انسانوں میں کچھ
فرق نہیں، جو اور انسانوں کا طریقہ پیدایش ہے وہی مسیح کا۔
پھر اور جگہہ (سورہ نساء، مائدہ) اُنکو یہ کہکر سمجھایا کہ مسیح خدا
کا بندہ ہے اور اسکو بندہ خدا سمجھنے میں انکی کچھ کسر شان نہیں ہے۔
پھر کہا کہ مسیح روز قیامت کو جناب باریتعالے کے حضور میں عرض کرینگے
کہ میں نے اپنے تئیں خدا نہیں کہا، میں نے تو صرف تیرا پیغام پہنچایا اور جب
میں مر گیا تو تُو آپ نگہبان تھا۔
یہودیوں کو جو شریعت عیسوی کو باطل سمجھتے تھے یوں سمجھایا کہ مسیح
میرا رسول ہے اور وہ توریت اور دیگر کتب عہد عتیق کی تصدیق
کرتا ہے۔ اُسکی والدہ بھی صدیقہ ہے۔ پس یہ فیصلہ قرآن مجید نے
نزاع یہود و نصاریٰ میں کیا، اور جیساکہ ظاہر ہے کمال وقعت کا
فیصلہ ہے اور اُس افراط و تفریط کو دور کرنیوالا ہے جو دوست اور
دشمنوں سے وقوع میں آتی ہے، اور جو واقعی بات اور اصلی حالات
کو تعریف و توصیف کی جگمگاہٹ، یا طوفانوں اور بہتانوں کی
تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔
خاتمہ میں مولویصاحب نے یہ اعتراض پیش کیا ہے کہ اگر مسیح
نفس الامر میں بن باپ کے پیدا نہ ہوا تھا تو یہ کیوں نہ کہا گیا کہ وہ
یوسف کا بیٹا ہے اور کیوں بجائے اس کے لوازم منشاء نزاع فریقین
کا ابطال کیا گیا۔ لیکن ہم بیان کر چکے ہیں کہ منشاء نزاع کے قرار دینے

میں مولانا نے غلطی کی ہے، اور وہ یہ نتھا جو اُنہوں نے خیال
فرمایا ہے، اسواسطے حضرت مسیح کے والد کے نام بیان کرنے کی
کچھ ضرورت نہ تھی۔ علاوہ اس کے اسبات کا کیا جواب ہو سکتا
ہے کہ اگر منشاء نزاع مسیح کا بے باپ پیدا ہونا تھا اور مسیح واقع میں
یوسف کا لڑکا نہ تھا تو کیوں قرآن مجید نے اسکے بے باپ پیدا ہونے کی
صاف صاف تصدیق اور تخم یوسف سے ہونیکا انکار نہ کیا اور کیوں
اس بات کو گول مول رہنے دیا؟ مولویصاحب ذرا انصاف سے غور
فرماویں کہ ایک ذرا سے فقرہ میں کہ مسیح یوسف کا یا کسی انسان
کا بیٹا نہیں یا فقط اتنا ہی کہتے ہیں کہ وہ بے باپ پیدا ہوا ہے تمام
فیصلہ ہو جاتا اور سب شکوک وشبہات رفع ہو جاتے۔ غرض کہ
قرآن مجید سے کوئی ثبوت اس بات کا نہیں کہ مسیح بن باپ پیدا
ہوا تھا، بلکہ بعض آیات سے جو گو بالخصوص حضرت مسیح سے متعلق
نہیں ہیں لیکن ان میں عام فطرت انسانی بیان ہوئے ہے ؛ اس کے
خلاف پایا جاتا ہے مثلاً کہا گیا ہے کہ اے لوگو ہمنے تکو مرد اور عورت
سے پیدا کیا ہے۔

فلینظر الانسان مما خلق خلق من ماء دافق یخرج من بین الصلب والترائب : یاایہا الناس خلقکم من ذکر و انثی (رحم)

ان آیات قرآنی کے مخاطب کوئی* خاص قوم یا جماعت نہیں ہے،

* ذکر وانثے سے آدم وحوا مراد نہیں یاایہا الناس اناخلقناکم من ذکر وانثے لسے کل واحد
منکم ایہا الموجودون وقت النداء فخلقناہ من اب وام تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ ۵۳۰

بلکہ بلا کسی تخصیص کے ایک عام اور کلی قانون قدرت کو بیان کیا ہے
جسمیں سے کسی کو مستثنے نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید کی ایسی صریح تعمیم
کو بلا کافی وجہ کے خاص کرنا کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔ پس جیسا
کہ مسیح کو زمرہ انسان سے نکالنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، ویسا ہی
انکو اُن قوانین فطرت سے مستثنیٰ کرنیکی بھی کوئی وجہ قوی نہیں
ہے، جو اُنکی اور ہمجنسوں سے متعلق ہیں۔
ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمنے اس مضمون کی ہر ایک پہلو کو دیکھ بھال
لیا ہے، اور حضرت مسیح اور اُن کے ام صدیقہ و عفیفہ کو ہر ایک
طرح کی تہمت سے بری کیا ہے، ہمارے نبی خاتم الرسل نے بھی انکو
تہمت یہود سے بچایا تھا، ہمارا بھی یہی فرض ہے کہ یہود منش مسلمانوں
اور فریسی صفت عالموں کے بہتانوں سے جو وہ نادانستہ کرتے ہیں
ان بزرگوں کو بچایا جاوے۔ فقط

تمت

اعلان

انجمن اخوان الصفا نے رسالہ ہذا احباب کی فرمائش سے طبع کرایا ہے

اور اس لئے صرف دو سو نسخے چھاپے گئے ہیں جن میں سے کچھ زرد

کاغذ پر ہیں اور کچھ سفید ولایتی کاغذ پر جنکو رسالہ ہذا کی خریداری

منظور ہو راقم سے طلب فرمائیں ☙ راقم حافظ فضل احمد متعلم میڈیکل کالج لاہور